اسلامی نظامِ معیشت
اور
جدید بینکاری
تصنیف
حضرت علامہ مولانا
محمد فرمان علی
فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ
تحریک مطالعۂ قرآن

اسلامی نظام معیشت
اور
جدید بینکاری

تصنیف

حضرت علامہ مولانا

محمد فرمان علی

فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ

تحریک مطالعۂ قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : اسلامی نظامِ معیشت اور جدید بینکاری

مصنف : علامہ محمد فرمان علی

نظرثانی : مولانا خلیل الرحمٰن رضوی، حافظ زوہیب الیاس

پروف ریڈنگ : مولانا محمد سلیم نظامی، مولانا محمد فیاض ہزاروی

تعداد : 1000

مطبع :

قیمت : 150روپے

ملنے کے پتے

☆ جامعہ المرکز الاسلامی مین والٹن روڈ لاہور کینٹ

☆ گنج بخش کتب مارکیٹ نزد داتا دربار لاہور

☆ نعیمیہ بک سٹال غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور 0300-4986439

آئینۂ ترتیب

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

انتساب

فخر المحدثین، وارثِ علومِ نبویہ، حسان الھند

امام اھل سنت، مجدد دین و ملت

امام الشاہ احمد رضا خاں رحمة الله عليه

محدث بریلوی

کے نام

جنہوں نے عالم اسلام کے قلوب کو عشقِ رسالت ﷺ

کی دولت سے مالا مال فرمایا

محمد فرمان علی

اہداء

تاجدارِ اہلِ طریقت، شمعِ دین و ملت، فاتح مرزائیت

عالمِ علومِ نبویہ، فخر السادات

حضرت سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

محدث گولڑوی

کے نام

جنہوں نے فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی کرکے

عالم اسلام کی فکرِ مستقیم کے لیے رہنمائی فرمائی

محمد فرمان علی

تقدیم

استاذ العلماء حضرت علامہ **مفتی محمد تصدق حسین** دامت برکاتہم العالیہ

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے عالم رنگ و بو میں مختلف اقسام کی جاندار اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ ہوا میں لہراتے پرندے، جنگلوں میں رہنے والے جانور اور سمندروں میں پائی جانے والی مختلف انواع و اقسام کی مخلوق خالقِ کائنات کی صناعی اور قدرت کا بہترین نمونہ ہے۔ زمین پر بسنے والے مختلف قبائل، اقوام اور مختلف زبانوں کے حامل افراد کو عقل و شعور بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا ہے۔ زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں سے لے کر سمندر میں رہنے والی وہیل مچھلی تک سب کو رزق بھی خالقِ کائنات عطا فرماتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿العنکبوت:۶۰﴾

اور زمین میں کتنے ہی چلنے والے ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے اللہ روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں اور وہی سنتا جانتا ہے۔

دوسرے مقام پر اس مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ﴿الشوریٰ:۱۲﴾

اسی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں روزی وسیع کرتا ہے جس کے لیے اور تنگ فرماتا ہے بے شک وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی پیدا کردہ ہر شے کو وہ جہاں بھی ہو رزق مہیا فرماتا ہے۔ خالقِ کائنات نے تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ انسان کو بنایا اور اسے عقل و آگاہی بھی عطا فرمائی۔ انسان

کے لیے اسباب رزق مہیا کر کے انہیں حاصل کرنے کی ترغیب دلائی گئی۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ﴿الاعراف:۱۰﴾

اور بے شک ہم نے تمہیں زمین میں استحکام دیا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے اسباب بنائے۔

لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴿البقرة:۱۹۸﴾

تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرو

نسلِ انسانی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس کے ذریعہ معاش میں وُسعتیں پیدا ہوئی ہیں لیکن بنیادی طور پر انسانی معیشت کا انحصار تین چیزوں پر رہا ہے:

1۔ تجارت 2۔ زراعت 3۔ صنعت وحرفت

اہلِ اسلام کے ہاں یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ کسبِ حلال کے لیے کونسا ذریعہ معاش افضل واعلیٰ ہے۔امام شافعی کے نزدیک بہترین ذریعہ کمائی تجارت ہے۔حضرت ابوالحسن کے نزدیک افضل ذریعہ معاش زراعت ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سب سے بہتر تجارت پھر زراعت اور پھر صنعت وحرفت ہے۔علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔ان تینوں مسائل (تجارت، زراعت، صنعت) کی اہمیت ذاتی نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ مخلوق کی خوشحالی اور فلاح کا ذریعہ ہیں لہٰذا جن ممالک کے طبعی ماحول میں زراعت زیادہ مفید اور نفع بخش ہے وہاں زراعت، تجارت اور صنعت سے راجح ہے۔جن مقامات پر حالات اور ماحول تجارت کے لیے سازگار ہیں وہاں تجارت کو زراعت اور صنعت پر فوقیت حاصل ہے۔غرضیکہ ان تینوں وسائل کے باہم راجح اور مرجوح ہونے کا مدار ممالک کی طبعی صلاحیت، زمانہ کی ضروریات اور لوگوں کی حاجت کے پیشِ نظر ہے نہ کہ ذاتی فضیلت کے پیشِ نظر۔راقم کے نزدیک آئمہ دین نے تجارت کو فضیلت اس اعتبار سے دی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بھی

تجارت کی۔اس لیے ان کے نزدیک افضل ذریعہ معاش تجارت ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں آپ پر نبوت کی تکمیل فرمادی گئی۔آپ ﷺ نے قیامت تک آنے والے مسائل کا حل امت کے سامنے رکھا اور امت مسلمہ کی دینی اور دنیاوی ہر ضرورت کو پورا فرمایا۔اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر انسان جب اپنی زندگی کی منازل طے کرتا ہے تو وہ ہر منزل پر اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔انسان کسب و کمائی اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی کفالت کے لیے کرتا ہے لیکن جب وہ اس کسب میں اسلام کے اصول و ضوابط کو مدنظر رکھتا ہے تو یہی کوشش اس کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

معیشت کسی بھی قوم، ملک، گروہ اور قبیلہ کے لیے ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ذریعہ معاش چاہے کوئی ہو لیکن ہر فرد معاشی طور پر آسودہ حالی کا خواہش مند ضرور ہوتا ہے۔تاریخ کے اوراق میں جب اقوام عالم کی معاشی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو ہر دور میں ایسے فرسودہ معاشی نظام کی جھلک نظر آئے گی کہ امیر کے پاس دولت کے انبار اور غریب اپنی غربت کی وجہ سے نان شبینہ کو ترستا ہے اور سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر غرباء کا استحصال کرتا ہے اور اس کا بخل اس کے ظلم و جبر کو مزید بڑھاتا ہے۔سرمایہ دارانہ معیشت میں رعونت اور تکبر کی وجہ سے ایثار و قربانی کا جذبہ ناپید ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے امیر اور غریب میں فاصلے مزید بڑھ جاتے ہیں۔سرمایہ دارانہ اور استحصالی نظامِ معیشت کا ایک باب یہ بھی ہے کہ طبقہ امراء دنیا کی ہر آسائش پر اپنا حق سمجھتا ہے چاہے اسے غصب ہی کرنا پڑے۔غریب کی باتیں کتنی ہی حکیمانہ و مفید ہوں سرمایہ دار انہیں سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا جاگیردار اور وڈیرے کا بیٹا احمقانہ کلام بھی کرے تو اس پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔امراء و روسا کی خرمستیوں کو بہادری اور جوانمردی کا نام دینا اور غریب

کی ہمت و مردانگی اور جرأت مندی کو پاگل پن قرار دینا تاریخ کا بہت قدیم باب ہے۔ یہ سب فرسودہ اور استحصالی معاشی نظام کی وجہ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اخلاق کریمانہ اور اوصافِ حمیدہ کے ذریعے اہلِ اسلام کو وہ معاشی نظام عطا فرمایا جس میں سرمایہ دارانہ معاشیات کے فرسودہ اور قبیح قوانین کا قلع قمع کیا گیا۔ سرمایہ دار کو غریبوں سے نفرت کی بجائے محبت اور حسن سلوک کا سبق سکھایا گیا۔ بخل اور تکبر کی بجائے سخاوت و فیاضی کا درس دیا گیا۔ حضور سید عالم ﷺ کے تربیت یافتہ جب دنیا کے مختلف حصوں میں پہنچے تو نظام مصطفیٰ ﷺ کی برکات سے انہوں نے بدامنی اور قتل و غارت گری ختم کر کے امن و سکون اور راحت و سلامتی کو رواج دیا۔ یہاں حضور سرور کائنات ﷺ کے معاشی سلوک و اسوہ حسنہ کے چند پہلوؤں کا تذکرہ ضروری ہے جن پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا اور آخرت کی عزت و کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

کسب حلال:

حضور نبی کریم ﷺ کے معاشی اسوہ حسنہ کا ممتاز پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسلامی اقتصادی نظام میں کسب حلال اور اکلِ حلال کو بہت اہمیت دی جبکہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہ ورق بالکل صاف ہے، یہاں حلال و حرام میں تمیز شاید کوئی اخلاقی قدر تو ہو مگر معاشی اصول کے طور پر اس کو بالکل بھی نہیں بیان کیا جاتا۔ مگر اسلامی معاشیات میں سر فہرست یہی اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلَالًا طَیِّبًا ﴿البقرة:١٦٩﴾

اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو طلب حلال کے لیے حکم فرمایا:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ قال

طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة ﴿مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۴۲﴾

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرائض کی ادائیگی کے بعد حلال مال طلب کرنا بھی فرض ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل کسب مالا من حلال فاطعم نفسه اوکسا ها فمن دونه من خلق اللہ تعالیٰ فان له به زکوة ﴿صحیح ابن حبان حدیث ۴۲۳۶﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس آدمی نے حلال مال کما کر خود اپنے کھانے اور پینے میں خرچ کیا یا مخلوق خدا میں سے کسی پر خرچ کیا تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔

خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے اور اپنے معاشی معاملات میں حلال وحرام کی کس قدر تمیز فرماتے کہ حرام تو کجا مشتبہات سے بھی حرام کی طرح پرہیز فرماتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال زکوٰۃ کو اپنے اہل وعیال اور اولاد کے لیے حرام قرار دیا تو کس سختی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کاربند تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

عن ابی عمیر قال کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فجاء رجل بطبق علیه تمر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماهذا اصدقة ام هدية قال صدقة قال فقدمه الی القوم وحسن یتعفر بین یدیه فاخذ الصبی تمرة فجعلها فی فیه فادخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبعه فی الصبی فنزع التمرة فقذف بها ثم قال انا آل محمد لا تحل لنا الصدقة

﴿مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۸۵﴾

حضرت ابوعمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک دن ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر تھے تو ایک آدمی کھجوروں کا طباق لے کر حاضر خدمت ہوا حضور ﷺ نے پوچھا! یہ کیا ہے؟ صدقہ یا ہدیہ اس نے عرض کیا! صدقہ آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں تقسیم کر دو حضرت حسن رضی اللہ عنہ بچے تھے اور آپ کے پاس کھیل رہے تھے انہوں نے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈالی نبی کریم ﷺ نے ان کے منہ میں انگلی ڈال کر وہ کھجور نکال کر پھینک دی اور فرمایا ہم آل محمد ﷺ پر صدقہ حلال نہیں۔

آپ ﷺ کا یہ اسوہ پوری امت کے لیے نمونہ پیش کر رہا ہے کہ آپ ﷺ نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ان کی عملی شکل بھی قائم کر کے دکھائی اور امت کو یہ تعلیم بھی فرمائی کہ حرام چیزوں کے استعمال میں کسی قسم کی فلاح نہیں البتہ حلال بظاہر کم بھی ہو تو بابرکت ضرور ہو گا اور حلال مال ہی انسانی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے۔

اپنی محنت سے کمانا:

نبی کریم ﷺ کے معاشی اسوہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان رزق حلال کے لیے محنت کرے، دوسروں پر بوجھ بننے کی بجائے اپنی معاشی ضروریات کا بندوست خود کرے، کیونکہ جو شخص اپنی محنت سے کمائی کرتا ہے وہ جاگیردار، وڈیرے، سرمایہ دار اور مال کو ذریعہ عزت سمجھنے والے اشخاص کی نظروں میں بے وقعت نہیں رہتا اور خودداری کی زندگی بسر کرتا ہے۔

عن المقدام بن معدیکرب رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یده و ان نبی الله داود علیه السلام کانا یاکل من یده

﴿صحیح بخاری باب کسب الرجل و عمله بیده﴾

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

عن المقدام بن معدیکرب عن رسول اللہ قال ما کسب الرجل کسب اطیب من عمل یدہ وما انفق الرجل علی نفسہ و اھلہ وولدہ و خادمہ فھو صدقۃ ﴿ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۵﴾

حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کسب نہیں جو حلال مال آدمی اپنے آپ پر، اپنے اہل پر، یعنی اولاد پر اور اپنے خادم پر خرچ کرے وہ صدقہ ہے۔

محنت کر کے کمائی کرنے کو جہاں مستحسن عمل قرار دیا گیا اس کے ساتھ ساتھ لوگوں سے دست سوال دراز کرنے سے بھی منع کیا گیا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یحتزم احدکم حزمۃ من خطب فیحملھا علی ظھرہ فیبیعھا خیرلہ من ان یسأل احداً فیعطیہ او یمنعہ ﴿مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۳۳﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی پشت پر لکڑیاں لاد کر اس کو بیچ کر کھائے یہ بہتر ہے اس سے کہ کسی سے سوال کرے پھر وہ دے یا نہ دے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کی خاطر محنت کشوں اور مزدوروں کی حوصلہ افزائی کے لیے مسجد قبا اور مسجد نبوی شریف کی تعمیر میں بنفس نفیس حصہ لیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مبارک عمل سے انسانوں کے محنت کش اور مزدور طبقہ کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔

زہد وقناعت:

جدید سرمایہ دارانہ معاشی فکر کا حامل کوئی فرد جب معیشت کے باب میں زہد وقناعت کا لفظ پڑھے تو شاید اسے دھچکا لگے کہ زہد وقناعت کا معاشی نظام سے کیا تعلق ہے لیکن غور وفکر کے بعد اسے پتہ چلے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے انسانی خواہشات اور دولت کی ہوس کا زہد و قناعت کے ذریعے کا خاتمہ کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے قناعت پسندی اختیار کر کے امت کو یہ سبق دیا کہ معاشی مسائل اور پریشانیاں جو حرص، لالچ، ہوس اور دنیاوی محبت کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں ان کا علاج زہد وقناعت میں ہے۔ زہد وقناعت کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ انسان کچھ نہ کمائے، ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور معاشی مسائل پر قسمت کا رونا روئے۔ اسلام کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دیتا بلکہ حضور سید عالم ﷺ کے اسوہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی بساط اور قوت کے مطابق رزق حلال کو تلاش کرے جو اللہ کریم عطا فرمائے اس پر صبر کرے دنیا کی محبت میں دیوانہ نہ بن جائے اور خالقِ کائنات اپنے خزانوں سے اسے عطا فرمائے تو پھر دنیاوی دولت کے انبار لگا کر سرمایہ دار ہی نہ بنے بلکہ اس سے فقراء اور محتاجوں کی معاشی ضروریات کو بھی پورا کرے۔ حضور ﷺ کے مبارک عمل کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشة رضی الله عنها قالت ماشبع آل محمد ﷺ من خبز شعير يومين متتابعين حتى قبض ﴿مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۶﴾

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ کے گھر والوں نے دو دن متواتر جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک نبی کریم ﷺ نے وصال فرمایا۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ليس الغنى عن كثرة العرض و لكن الغنى غنى النفس

﴿صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۳۶﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنا مال سے نہیں بلکہ نفس کے استغناء سے حاصل ہوتا۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قد افلح من اسلم و رزق کفافا و قنعہ اللہ بما اتاہ

﴿صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۳۳۷﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامیاب ہے وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اسے بقدر ضرورت روزی دی گئی اور اسے جو کچھ ملا اس پر اس نے قناعت کی۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وجہ تخلیق کائنات اور مرکز کائنات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں۔ احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ اگر آپ چاہتے تو پہاڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سونا ہو جاتے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اختیار کر کے امت کو یہ تلقین فرمائی دنیاوی زندگی میں زہد و قناعت بھی وجہ عزت اور ذریعہ امن و سکون ہو سکتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا ﴿صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۳۳۷﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ: آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی روزی عطا فرما جو اس کی ضرورت پوری کر سکے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر مبارک فقر کو اختیار فرمایا دنیا کی لذتوں اور اموال دنیا کی تمنا کی نہ اسے معاشی روگ بنایا۔ انتہائی سادگی اور وقار سے اپنی دنیاوی زندگی گزاری۔

فقراء سے محبت:

فقراء اور مساکین ہمیشہ سے انسانی معاشرے کا اکثریتی حصہ رہے ہیں۔ اسے خالقِ کائنات کی حکمت کہیں یا امراء ورؤساء کا امتحان کہ یہ اکثریتی طبقہ امراء کا مرہونِ منت رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فقیروں کو امراء کا ماتحت بنایا اور امراء کو حاکم، فقراء اور مساکین کی محبت کے خالی دعویدار تو آپ کو بہت نظر آئیں گے اپنے مفادات کی تکمیل، سیاسی مقاصد، سیاسی جماعتوں کی کامیابی اور نمود ونمائش کے سائن بورڈ آویزاں کرنے کے لیے طبقہ امراء کو غریبوں کی ضرورت پڑتی ہے، مگر جب غریبوں کے گھر روشنی نہ ہو، غریب کا بچہ بیماری کے باعث ساری رات کروٹیں بدلتا رہے، کسی بیوہ کی جواں سال لڑکی بن بیاہی اپنی لاچار والدہ کی راتوں کی نینداڑائے۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے والدین اپنے بچوں کو بیچ دیں یا خود حرام موت کو گلے لگالیں۔ سردیوں کی یخ بستہ راتیں اور گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں غرباء کے بچے کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ اس وقت آپ کو غریبوں کے ہمدرد چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گے اور اگر کہیں اتفاق سے کوئی غریب کسی رہنما اور سرمایہ دار تک پہنچ ہی جائے تو وہ صاحب ہاتھ ملانا بھی گوارا نہیں کرتے کہ غریب کے ہاتھوں کے جراثیم مجھے نہ لگ جائیں۔ کسی غریب کا بچہ دوائی کے پیسے نہ ہونے کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہوتا ہے، سرمایہ دار اور امراء کسی کلب، محل یا فائیو سٹار ہوٹل میں مختلف اقسام کے کھانے سامنے رکھ کر غریبوں کے حقوق کی تقاریر فرمارہے ہوتے ہیں۔

حضور سید کائنات ﷺ نے اس مظلوم اور مجبور طبقہ کی دادرسی فرمائی، معاشرے میں اس طبقہ کو صحیح مقام عطا فرمایا، امراء کو مظلوموں سے محبت کا درس دیا اور انہیں حقیر سمجھنے سے منع فرمایا۔ حضور سرورِ عالم ﷺ کی فقراء سے محبت کا اندازہ اس حدیث سے بخوبی ہوتا ہے۔

عن انس رضی اللہ ان النبی ﷺ قال اللھم احیینی مسکینا و

امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔ فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا لم یا رسول اللہ؟ قال انھم ید خلون الجنۃ قبل اغنیائھم باربعین خریفا ﴿مشکوٰۃ باب فضل الفقراء صفحہ ۴۴۷﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، مجھے مسکین بنا کر وصال عطا فرما اور روز حشر مساکین کی جماعت کے ساتھ رکھنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی! یا رسول اللہ کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ امیر لوگوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اس مظلوم اور پسماندہ طبقہ کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس طبقہ کے ساتھ جینا، مرنا اور اللہ کے دربار میں کھڑا ہونا پسند فرمایا۔ اسلام میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ امراء پر اسی لیے ضروری قرار دیئے گئے تا کہ ان کے اموال سے فقراء اور مساکین کی معاشی پریشانی اور ان کی بدحالی کا خاتمہ کیا جا سکے اور غرباء کو بھی اسلامی معاشرہ میں باعزت مقام دیا جا سکے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فقراء و مساکین کی معاشی کفالت کی احسن انداز میں ترغیب دلائی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فقراء، مساکین اور حاجتمندوں کی دلجوئی فرمائی، ان کی مشکلات وتکالیف کے ازالے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سعی وکاوش فرماتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی مدد کا حکم فرماتے۔ بعض اوقات اگر سائل کے انداز گفتگو میں شدت بھی آجاتی یا بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے ناواقفیت کی بناء پر سوء ادبی بھی ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم درگزر فرماتے اور ان کی دادرسی فرماتے۔ جب اہل اسلام پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے گئے اور کفار سے کثیر مال غنیمت حاصل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء و مساکین کی معاشی کفالت کا اعلان عام فرمایا۔

جود وسخا:

حضور نبی کریم ﷺ منبع جود وسخا ہیں۔ آپ ﷺ نے سخاوت وفیاضی کے روشن چراغ سے افلاس وغربت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے محتاج خانوں کو جگمگا دیا۔ سخاوت وفیاضی اسلامی نظام معیشت کے وہ موقر عنوانات ہیں جن کے ذریعے دولت اغنیاء کے خزانوں سے نکل کر فقراء کی جھونپڑی تک پہنچ جاتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے سخاوت وفیاضی کے اوصاف حمیدہ کے ذریعے مال ودولت میں امت کے فقراء اور بے نواؤں کو شامل فرما کر گردش دولت کی راہیں کشادہ فرمادیں، بخل وامساک اور ارتکاز واکتناز دولت کی عادات رزیلہ کے مضر معاشی اثرات کا ازالہ فرمایا۔

عن ابن عباس کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل، و کان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن فلرسول اللہ اجود بالخیر من الریح المرسلۃ ﴿صحیح بخاری کتاب بدء الوحی صفحہ ۲﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ ﷺ کی سخاوت سب سے زیادہ رمضان میں ہوتی جب حضرت جبریل ملاقات کرتے وہ رمضان کی ہر رات آپ ﷺ سے قرآن کریم کا دور کیا کرتے اس وقت آپ ﷺ بہتی ہوا سے بھی زیادہ خیر رساں ہوتے۔

حضور سید عالم ﷺ نے زندگی بھر کبھی سائل کے سوال پر "نہیں" ارشاد نہیں فرمایا آپ ﷺ سائل کو کچھ عطا فرماتے یا بہت نرمی سے اس کی دلجوئی فرماتے کاشانہ نبوی میں جتنا بھی مال آتا اس سے حاجت مندوں اور سائلین کی ضروریات کو پورا کیا جاتا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی سخاوت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے:

عن عقبۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ قال صلیت مع النبی ﷺ العصر فلما سلم قام سریعا دخل علی بعض نسائہ ثم خرج و رأی ما فی وجوہ القوم من تعجبھم لسرعتہ فقال ذکرت و انا فی الصلوۃ تبرا عندنا فکرھت ان یمسی او یبیت عندنا فامرت بقسمتہ

﴿صحیح بخاری باب تفکر الرجل الشی فی الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۸۱﴾

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی نماز کے فوراً بعد آپ ﷺ جلدی گھر تشریف لے گئے اور پھر واپس تشریف لے آئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے نماز میں خیال آیا کہ ہمارے گھر سونا پڑا رہ گیا مجھے ناپسند ہے کہ وہ رات گھر میں ہی پڑا رہے اس لیے گھر جا کر اسے خیرات کرنے کا حکم دیا۔

ایک دفعہ رئیس فدک نے حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں چار اونٹ غلہ لاد کر بھیجے۔ آپ کے حکم پر کچھ غلہ بیچ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قرض ادا کیا اور باقی محتاجوں میں تقسیم کیا مگر پھر بھی کچھ بچ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے بچ جانے کی وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کوئی محتاج باقی نہیں رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تک یہ باقی ہے میں بھی گھر نہیں جاؤں گا چنانچہ آپ ﷺ نے رات مسجد نبوی میں گزاری صبح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی راحت کا سامان پیدا کر دیا یا رسول اللہ ﷺ یعنی جو باقی تھا وہ بھی تقسیم ہو گیا آپ ﷺ نے سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ ﴿سنن ابو داؤد کتاب الخراج والفی والامارۃ﴾

حضور نبی کریم ﷺ حسن خلق، احسان اور ایثار کے اوصاف کا منبع تھے اپنے آپ اور اپنے گھر والوں سے بڑھ کر محتاجوں، فقیروں اور حاجتمندوں کی ضروریات پوری فرماتے۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی محبت کا حال اہل علم سے مخفی نہیں جب کبھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتیں تو نبی کریم ﷺ فرط محبت سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ آپ رضی اللہ عنہا گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں چکی چلاتیں حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے۔ مشکیزے میں پانی بھر کر لاتی تھیں، گھر میں جھاڑو دیتی تھیں اور چولہے میں آگ جلاتی تھیں اس سے آپ کو تکلیف ہوتی۔ حضرت ضباعۃ بنت زبیر سے روایت ہے:

اصاب رسول اللہ ﷺ سبیا فذھبت انا واختی و فاطمۃ بنت النبی ﷺ الی النبی ﷺ فشکونا الیہ ما نحن فیہ و سالناہ ان یامرلنا بشی من السبی فقال النبی سبقکن یتامی بدر

﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۳﴾

رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے تو میں، میری بہن اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی مشکلات پیش کر کے ہم نے آپ ﷺ سے خادم کا مطالبہ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے لے چکے ہیں۔

بدر کے یتیم تم سے پہلے لے چکے ہیں اللہ اکبر اپنی لخت جگر کے مقابلہ میں بدر کے یتائی کا اتنا خیال، یہ اخلاق وایثار اور سخاوت و فیاضی کا کونسا مقام ہے؟ یہ باتیں عقل اور فلسفہ سے ماوراء ہیں۔

ماقبل سطور میں حضور سید عالم ﷺ کے معاشی اسوہ حسنہ کی جھلک آپ نے ملاحظہ کی۔ حضور سید عالم ﷺ کی مبارک زندگی کے ان چند واقعات سے اسلامی معیشت کے بنیادی خدوخال واضح ہو جاتے ہیں اور یہ بات بھی سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ اسلام دنیا کے لیے کیسا نظام معیشت فراہم کرتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت رائج کرنے سے جہاں کسی

مملکت کا انتظامی ڈھانچہ مضبوط ہوتا ہے وہاں اسلامی مملکت کے باسیوں کو بھی اطمینان و سکون میسر آتا ہے۔ امراء ورؤساء کے ہاتھوں سے دولت تقسیم ہو کر جب غریب کی جھونپڑی تک پہنچے تو استحصالی روایات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سے طبقاتی تقسیم کا زہریلا عنصر اپنی موت آپ مر جائے گا۔ اس وقت دنیا میں قتل وغارت، عدم برداشت، لسانی وقومی تعصب، ممالک کی آپس میں جنگوں کی بنیاد ارتکازِ دولت، بخل اور دولت کا نشہ ہے جو طبقاتی تقسیم کی بنیاد بن کر معاشرتی افتراق وانتشار کا سبب بن رہا ہے۔ بنظر غائر جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہے کہ اسلامی نظام معیشت ہی کسی مملکت کی بقا اور امن وامان کا ضامن ہے۔

جدید بینکاری:

اسلام نے مسلمانوں کو زندگی گزارنے کا جو طریقہ سکھایا اس میں ایثار، حسن خلق، ہمدردی اور رواداری کو اہم مضامین گردانا گیا، یہ چیزیں معاشرے کے امن وسکون کو برقرار رکھنے میں بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ سود بالکل اس کے برعکس نقشہ پیش کرتا ہے اور سود کی وجہ سے یہ تمام جذبات مفقود ہو جاتے ہیں بلکہ نفرت، خود غرضی، حسد، کینہ اور بغض جیسی مہلک وبائیں معاشرے کو زخم خوردہ کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

﴿البقرۃ: ۲۲۸۔۲۲۹﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور رسول سے لڑائی کا۔

اتنی شدید وعید وتہدید کہ سود کے نہ چھوڑنے پر اللہ عزوجل ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلا اعلانِ جنگ متصور کیا جا رہا ہے۔ وہ کون بد بخت ہوگا جو اس قرآنی حکم کے بعد بھی سود جیسی لعنت کو

اپنے سینے سے لگائے۔ آیت کریمہ کے بعد حدیث رسول ﷺ بھی ملاحظہ فرمائیں:

عن جابر رضی الله عنه قال لعن رسول اللهﷺ آکل الربا

وموکله و کاتبه و شاهدیه ﴿مشکوة باب الربا صفحه ۴۲۵﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے،

کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی۔

عن عبدالله بن حنظلة قال: قال رسول اللهﷺ درهم ربا یاکله

الرجل وهو یعلم اشد من ستة و ثلاثین زنیة

﴿مجمع الزوائد کتاب البیوع جلد ۴ صفحه ۱۴۷﴾

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو

شخص سود کا ایک درہم جان بوجھ کر کھالے اس کا گناہ چھتیس مرتبہ زنا سے

بھی زیادہ ہے۔

عالم کفر نے امت مسلمہ کی وحدت کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے قلوب واذہان سے ایمان کی حدت وحرارت کو ناپید کرنے کے لیے جہاں اور کئی کھیل کھیلے وہیں منصوبہ بندی اور حیلوں سے امت مسلمہ کو سود کے کاروبار میں بھی شریک کار کیا۔ عالم کفر کے استحصالی معاشی نظام کی ظاہری رنگینی کو دیکھ کر مسلمانوں کا طبقہ امراء ورؤساء مزید دولت کی لگن میں کفر کے نرغے میں آتا چلا گیا۔ آج آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بنک جیسے کئی صیہونی ادارے اپنے ظلم و استبداد کے پنجوں سے امت مسلمہ کے مال وزر پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ جدید بینکاری کا نام لے کر مسلمان ممالک کے وسائل کو بے رحمی سے لوٹا جارہا ہے۔ مسلمان ملکوں کے وسائل کو چرا کر پھر وہی دولت انہی ملکوں کو بطور قرضہ دی جاتی ہے اور پھر اس پر سود وصول کیا جاتا ہے۔ اس سودی نظام کے ذریعے ہی معاشرے میں طبقاتی تقسیم پیدا کی جاتی ہے پھر اس

آگ کو بھڑکا کر ملکی خانہ جنگی میں تبدیل کر کے عالم کفر اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔ اسلامی ممالک کی معاشرتی زندگی میں بے بسی، لاچاری، غربت وافلاس کے زہریلے ناگ پھن پھیلائے کھڑے ہیں اور ہمدردی، ایثار، قربانی جیسے جذبات مفقود ہوتے چلے جارہے یہ سب سودی نظام کاروبار کی نحوست اور قباحت ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر کی آمدنی سے اپنی ازدواج مطہرات کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کر کے امت مسلمہ کے لیے پس اندازی اور بچت کا جواز فراہم کیا اور یہ امت کے لیے درس تھا ورنہ کاشانہ نبوی ﷺ کا وہ اناج بھی فقراء اور مساکین کی ضروریات کے لیے ہی استعمال ہوتا اور کاشانہ اقدس میں کئی دن چولہا نہ جلتا تھا۔ اس وقت دنیا میں معیشت بنیادی حیثیت حاصل کر چکی ہے، معاشی استحکام ممالک کی بقاء اور تحفظ کا ضامن ہے معاشی استحکام کی خاطر ہی امریکہ مختلف ریاستوں کے ساتھ پورے براعظم کو ایک حکومت میں سمیٹے بیٹھا ہے اور یورپی ممالک یورپی یونین کے ذریعے خود کو یک جان کیے ہوئے ہیں۔ اسلامی ممالک بھی نئے سرے سے اپنے آپ کو منظم کریں، بینکنگ کا اپنا نظام بنائیں جو سود کی آمیزش سے پاک ہو، مشترکہ کرنسی، تجارتی کمپنیاں، زکوٰۃ وصدقات کی وصولی اور صحیح مصارف یہ اسلامی دنیا کی ضرورت ہیں۔

اسلامی بینکاری نظام کے فروغ کے لیے علماء کی مخلصانہ کوششوں کی قدر کی جانی چاہیے کہ انہوں نے محنت سے بینکنگ کے نظام کو اسلامی مالیاتی نظام کے ہم آہنگ کرنے کی کاوش کی لیکن اسلامی بینکاری کے بنیادی خدوخال میں ہمدردی، قربانی، غرباء کی مالی اعانت اور مستحقین تک مالی وسائل کا پہنچنا ضروری طور پر شامل ہوں تا کہ مسلمانوں کی قوت ایک جگہ مجتمع ہو، محض جواز کا حیلہ تلاش کر کے اپنے کاروبار اور دولت کو وسعت دینے کے لیے اسلام کا نام استعمال نہ ہو بلکہ اسلامی سکالرز مل کر ایسا نظام معیشت و بینکاری ترتیب

دیں جس سے غریب کی جھونپڑی کی تاریکی ختم ہو، مساکین کے بچے بغیر دوائی کے سسک کر نہ مریں، یتیموں کی بے آسرا زندگی پر سکون ہو۔ اس کے لیے انفرادی کوشش کی بجائے اجتماعی اور ملی کوششیں زیادہ ثمر آور ہو سکتی ہیں۔

یہ چند سطور برادر عزیز علامہ محمد فرمان علی کی کتاب ''اسلامی نظام معیشت اور جدید بینکاری'' کے لیے بطور تمہید لکھیں۔ دراصل یہ کتاب ان کا تنظیم المدارس کے امتحان الشہادۃ العالمیہ میں ''الاعمال المصرفیة المعاصرة فی صورة المضاربة والمشارکة'' کے عنوان پر لکھا ہوا مقالہ ہے۔ یہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب اسلامی مالیاتی نظام کے عنوان سے ہے۔ اس میں اسلام اور دیگر اقوام کے مالیاتی نظام میں فرق، قرآن وسنت کی روشنی میں حلال کی اہمیت اور حرام کی مذمت اور اسلامیاتی مالیاتی نظام کے فوائد وثمرات کو بیان کیا گیا۔ دوسرے باب کا عنوان مضاربت و مشارکت ہے۔ اس باب میں مضاربت ومشارکت کی تعریف، ان کا جائزہ اور ان کے فقہی احکام کی تفصیل ہے۔ تیسرا باب اسلام اور بینکاری نظام کے عنوان سے ہے۔ اس میں سود کی مذمت اور سودی بینکوں کے احکام اور جدید اسلامی بینکاری کے نظام پر تفصیلی بحث ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے علم وقلم میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ اس کتاب کو امت کے لیے نافع بنائے۔

آمین بجاہ، طٰہٰ و یٰسین

محمد تصدق حسین

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

20 نومبر 2014ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
و علی آلہ الطاہرین و اصحابہ الھادین المہدیین اما بعد

اسلام اہل دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ دین اسلام تمام جن وانس کے لیے کائنات کا عطا کردہ مکمل دستور زندگی ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، معاملات، معاشیات، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ اور تمام مسائل زندگی کے متعلق انتہائی اہم، قیمتی اور جامع احکام وقوانین ہیں۔ ان احکام وقوانین میں ہر مرد وزن، کالے گورے، امیر و غریب، عربی وعجمی اور تمام اصناف واقوام کے حقوق، فرائض، مصالح اور ضروریات کی مکمل رعایت کی گئی۔ بغیر کسی ظلم وتعدی اور جانبداری کے فطرت کے مطابق جامع ومانع ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کی کاملیت واکملیت اور عمومیت وشمولیت کے اثبات کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ دستور العمل اور نظام اس ذات کا وضع کردہ ہے جو رب العالمین اور ارحم الرحمین ہے۔ خالق کائنات ﷻ اپنے دین کی تکمیل کا یوں اعلان فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴿المائدہ:۳﴾

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

اہلِ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اسلام کے سوا اب کوئی دستور اور دین دربار الٰہی میں مقبول نہیں۔ اسلام کو چھوڑ کر دوسرے احکام وقوانین کے متلاشی لوگوں کے لیے خسارہ و بربادی ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو قیامت تک رہے گا، اس کے اصول وضوابط ہر دور اور زمانے میں لوگوں کی اصلاح ورہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ بلا امتیاز مسلم وغیر مسلم جو بھی ان

اصول وقوانین پر عمل کرے وہ ان کی روشنی ضرور پائے گا۔ موجودہ دور میں جب نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں تو غیر مسلم اقوام کی نگاہیں اہل اسلام پر اٹھتی ہیں کہ ان اشیاء کے استعمال کا ان کے پاس کیا حل ہے۔ ہر دور کی طرح اس زمانے میں بھی علماء حق اور اہل علم اسلام کے بنیادی اصول وضوابط کو مدنظر رکھ کر مسلمانوں کے لیے ان اشیاء کے استعمال کا حل تلاش کر رہے ہیں۔

موجودہ دور میں بینکاری کو معاشی نظام کا جزولاینفک سمجھا جاتا ہے اور عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ سودی نظام کے بغیر کسی بھی ملک کی معیشت کو مستحکم کرنا ناممکن ہے۔ لوگوں کی کثرت سود کو ہی اپنی مادی زندگی کی آسائش وآرائش خیال کرتی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اسلام جو سود کی شدید مذمت کرتا ہے اس کے بنیادی قواعد کو پیش نظر رکھ کر ایسا متبادل مالیاتی اور معاشی نظام وضع کیا جائے جس میں سود کا دخل بھی نہ ہو اور عوام کے لیے وہ نفع بخش بھی ہو۔ کئی سالوں سے علمائے امت مختلف ممالک میں اسلامی بینکاری کے فروغ کے لیے ایسا نظام متعارف کروانے کی سعی وکاوش میں مصروف عمل ہیں جو معاشرے کی الجھنوں کو ختم کرنے کے ساتھ اصول شریعت کے مطابق ان کے لیے نفع مند بھی ہو۔ علماء کی یہ کاوش قابلِ تحسین ہے کہ جہاں سود کی مذمت اور اسلامی کاروبارِ تجارت کی معلومات سے کافی حد تک عوام آشنا ہوئے وہیں ان معترضین وناقدین کا منہ بھی بند ہو جو اہل اسلام پر تنقید دور حاضر کا فیشن سمجھتے ہیں (اعاذنا اللّٰہ منہ) لیکن ابھی بھی اس موضوع پہ کام کرنے کی کافی ضرورت باقی ہے تاکہ نقد وجرح کے ذریعے بینکنگ کا نظام اسلامی معاشی نظام کے بالکل ہم آہنگ ہو اور پھر اسلامی مالیاتی نظام کے فوائد پوری دنیا پر مرتب ہوں، اسلامی ممالک کا معاشی بحران ختم ہو اور دشمنانِ اسلام کو بھی اسلامی نظام پر انگلی اٹھانے کا موقع میسر نہ آئے۔

باب اوّل

اسلامی مالیاتی نظام
اور
دیگر مالیاتی نظاموں میں فرق

فصل اول

اسلامی مالیاتی نظام:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان الدین عند اللّٰہ الاسلام'' کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ اس آیت کریمہ سے اسلام کی فضیلت و اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا محبوب و پسندیدہ دین ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے سے منسلک افراد کیلئے رہنمائی موجود ہے۔ اس مقالے میں اسلام کے مالیاتی (معاشی) اصولوں کو زیر بحث لایا جائے گا اس لئے ضروری ہے کہ پہلے اسلامی معاشی نظام اور دیگر معاشی نظاموں کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے۔

اسلام کا نظامِ معیشت:

اسلامی نظامِ معیشت سے مراد کسی منظم معاشرہ میں رہنے والے افراد کی معاشی ضروریات کی تسکین کا وہ طریق کار ہے جو قرآن وسنت کی ہدایات کے تابع ہو ان ہدایات کے مطابق اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ صرفِ دولت، پیدائش دولت اور تقسیم و تبادلہ دولت کا اندازہ کیا ہو۔ اس نظام میں افراد معاشرہ کی معاشی سرگرمیاں چند اقدار سے منضبط ہوتی ہیں جن میں تقویٰ، عدل، احسان، تعاون، اخوت اور مساوات خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان اقدار کا منبع و ماخذ قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ ہے۔ یہ دائمی اور ناقابل تغیر ہیں۔ صارف، آجر اور تاجر سب کے لیے ان اقدار کی پابندی لازم ہے۔

معاشی نظام کے اہم ادارے:

اسلام کا معاشی نظام جن اداروں، تنظیمات اور ضوابط سے تشکیل پاتا ہے ان میں نجی ملکیت کا ادارہ، نظام زکوٰۃ وعشر، خمس وخراج، قانون وراثت، انصاف وصدقات، شراکت و

مضارب، تجارتی لین دین کے ضابطے، سود اور قمار کی حرمت اور ریاست کی کفالت عامہ کی ذمہ داری وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مقاصد:

اسلامی نظام معیشت کے پیش نظر مندرجہ ذیل مقاصد ہوتے ہیں:

1۔ حصول فلاح:

اسلام کے معاشی نظام کا اعلیٰ ترین مقصد اللہ کریم کے تخلیق کردہ وسائل کائنات سے استفادہ کرتے ہوئے معاشی ضروریات کی تسکین کا ایسا انداز اختیار کرنا جس سے زیادہ سے زیادہ انسانوں کو دنیوی واخروی فلاح حاصل ہو۔

2۔ معاشی ترقی:

اسلامی نظام معیشت کا ایک اہم مقصد تیز رفتار معاشی ترقی کا حصول ہے قرآن پاک اور ارشاداتِ رسول ﷺ میں وسائل کائنات سے بھر پور استفادہ کرنے یعنی تسخیر کائنات پر زور دیا گیا ہے اس سلسلہ میں خداداد قوائے علم وعمل کو بروئے کار لانے کی تلقین کی گئی ہے اور انہیں بے کار چھوڑ دینے، غلط راہوں پر لگا دینے اور فضول کاموں میں خرچ کرنے کو قابل مواخذہ جرم قرار دیا گیا ہے۔

3۔ فقر وفاقہ سے نجات:

اللہ رب العزت کو ویرانوں کی آبادی اور بستیوں کی شادابی پسند ہے اس لیے اس نے اپنے کلام پاک میں انسانوں کو ایسے اصول بتائے ہیں جو ارض وسما کے رزق کے خزانوں کو ان کی طرف بہا دیں۔ حضور ﷺ کسی مسلمان کو مفلوک الحال دیکھتے تو آزردہ خاطر ہو جاتے۔ اسلام کے معاشی نظام میں غربت وافلاس کے خاتمہ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ دیگر معاشی

نظاموں میں غربت کو محض ایک انسانی مسئلہ قرار دیا گیا ہے لیکن اسلامی نظام معیشت میں انسانی مسئلہ کے ساتھ ساتھ اسے ایک نظریاتی مسئلہ بھی سمجھا گیا ہے۔

4۔ دولت کی منصفانہ تقسیم:

دولت کی منصفانہ تقسیم کے بغیر معاشرہ کی حقیقی خوش حالی محض سراب بن کر رہ جاتی ہے۔قومی دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جانے اور اکثریت کے وسائل زیست سے محروم ہو جانے کو کسی ملک کی معاشی خوشحالی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ معاشرہ معاشی خوشحالی سے اسی وقت ہمکنار ہوسکتا ہے جب تمام افراد کو معقول انسانی معیار پر ضروریاتِ زندگی میسر آرہی ہوں۔ اسلامی نظامِ معیشت کا ایک اہم مقصد تقسیم دولت کے نظام کو عادلانہ بنانا ہے۔

دیگر معاشی نظاموں میں بھی دولت کی منصفانہ تقسیم کے سلسلہ میں اقدامات کئے جاتے ہیں لیکن اسلامی نظام معیشت میں اس مقصد کے لیے جس انداز میں مستقل نوعیت کے ادارے مثلاً زکوٰۃ وانفاق کا نظام، بیت المال کا قیام، قانونِ وراثت اور حلال وحرام کے ضوابط تجویز کیے گئے ہیں وہ دوسرے نظاموں میں ناپید ہیں۔

5۔ آزادی کا تحفظ:

اسلام کے معاشی نظام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معاشی جدوجہد کا ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ کوئی شخص حریت فکر وعمل سے محروم نہ ہونے پائے۔اس کی انسانی آزادی برقرار رہے۔ وہ اپنی پسند کے کسی بھی شعبہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھانے میں آزاد ہو۔حلال ذرائع سے حاصل کردہ وسائل کے استعمال وتصرف پر اسے مکمل اختیار ہو اور اس پر کوئی پابندی بجز اس کے مالک (خدا) کی رضا کے نہ ہو۔

6۔ ضیاع کا سدباب:

وسائل کے ضیاع کا سدباب بھی اسلامی نظام معیشت کا ایک اہم مقصد ہے۔ اللہ رب العزت نے وسائل کائنات تمام انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیے ہیں اور ایک اندازے کے مطابق پیدا کیے ہیں۔ یہاں کوئی چیز عبث اور غیر ضروری نہیں۔ ان وسائل کو اس نے اپنی نعمتیں قرار دیا ہے اور انسان کو متنبہ کیا ہے کہ ان نعمتوں کے استعمال کے بارے میں اس سے جواب طلبی ہوگی۔ دیگر معاشی نظاموں میں بھی وسائل کے ضیاع کو روکنے کو اہمیت دی جاتی ہے لیکن وہاں کسی بالاتر ہستی کے سامنے اخروی جوابدہی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

اسلامی نظام معیشت کی فکری بنیادیں

اسلام نے انسان کی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے جو نظام یا لائحہ عمل تجویز کیا ہے وہ نہایت مضبوط فکری بنیادوں پر قائم ہے۔ اس فکری اساس کے ذہن میں موجود رہنے سے اس نظام کے مختلف پہلوؤں کی حکمتیں سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

1۔ خالقِ کائنات کی موجودگی:

اسلامی نظام معیشت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک ہے جو حی و قیوم، علیم و خبیر اور تمام مخلوقات کا رازق ہے۔

2۔ انسان نائب خدا ہے:

کائنات میں انسان اپنے خالق و مالک (خدا) کا خلیفہ و نائب ہے اس اعتبار سے اس کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں اپنے مالک کی مرضی کا نفاذ کرے۔

3۔ وسائلِ رزق کی بہتات:

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کے تقاضوں کے عین مطابق اس کائنات کو رزق کے اتھاہ خزانوں سے معمور کر دیا ہے۔ زمین کی تہہ، آسمان کی وسعت اور سمندر کی گہرائیوں میں انسانی ضروریات کو پورا کرنے والے لامحدود وسائل پنہاں پڑے ہیں۔

4۔ وسائل رزق انسان کی فیض رسانی کے لیے ہیں:

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں جو غیر محدود اسباب معیشت پیدا کیے ہیں وہ محض اس کی عظمت و شوکت کے ہی مظہر نہیں ہیں بلکہ وہ سب انسان کی فیض رسانی اور ضروریات کی تکمیل کیلئے تخلیق کیے گئے ہیں۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ

﴿الجاثیة:١٣﴾

اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے

5۔ معاشی مسئلہ حیات انسانی کا محض ایک جزو ہے:

اسلامی نظامِ معیشت کا سارا تانا بانا اس مفروضہ پر استوار کیا گیا ہے کہ انسان کا معاشی مسئلہ اس کی پوری زندگی کا محض ایک جزو ہے۔ اس لیے اسے حل کرتے ہوئے اجتماعی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے مفادات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا اس اعتبار سے معاشی دائرہ میں کوئی ایسی تدبیر نہیں کی جا سکتی جو انسانی شرف کے منافی ہو یا جس سے اجتماعی زندگی میں شر اور فساد پیدا ہو۔

6۔ احساسِ مسئولیت:

معاشی جدوجہد کا سارا عمل اور وسائل رزق سے استفادہ کی ہر کوشش اس احساس کے ساتھ کی جائے کہ ایک روز پروردگار عالم کو حساب دینا ہے اور وہ نیکی و بدی کی میزان میں اعمال کو تول کر اجر یا عذاب دے گا۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ○ ﴿التکاثر:۸﴾

پھر بے شک ضرور اس دن (قیامت کے دن) تم سے نعمتوں کی پرسش (پوچھ گچھ) ہوگی

اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی خدوخال

اسلام نے متذکرہ بالا فکری بنیادوں پر ایک متوازن اور مربوط معاشی نظام استوار کیا ہے جو ایک طرف افراد معاشرہ کی معاشی اختیارات کی تسکین کا مؤثر اہتمام کرتا ہے تو دوسری طرف انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں کامل ہم آہنگی پیدا کرتا ہے ذیل میں اسلامی نظامِ معیشت کے اہم بنیادی خدوخال بیان کیے جائیں گے۔

1۔ حصولِ رزق کیلئے حلال ذرائع کا استعمال:

اسلام نے انسان کو حصول رزق کیلئے مقدور بھر جدوجہد کرنے پر ابھارا ہے طفیلی پن اور گداگری جیسے مذموم رجحانات کی بیخ کنی کی ہے۔ تاہم حصولِ معاش کی جدوجہد کے لیے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ رزقِ حلال کے لیے ہی ہو ہاتھ کی محنت ہو یا دماغی محنت، تجارت ہو یا صنعت و حرفت ہر کہیں حلال ذرائع سے ہی روزی کمائی جاسکتی ہے۔ حرام کمائی کی قطعی ممانعت کردی گئی ہے اور حرام ذرائع مثلاً چوری، رشوت وغیرہ کی سب راہیں بند کردی گئی ہیں۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ ﴿البقرة:١٦٨﴾

اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے

2۔ صرفِ دولت کی ترغیب مگر حدود کے اندر:

حلال ذرائع سے کمائی ہوئی دولت پر اسلام انسان کے حق تصرف کو تسلیم کرتا ہے اور اسے اس بات کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ اسے اپنی حقیقی ضروریات پوری کرنے پر صرف کرے یا معاشرے کے دیگر افراد کو امداد یا عطیہ کے طور پر دے لیکن صرفِ دولت کے باب میں بھی اسلام معاشرے کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کے پیش نظر ضروری پابندیاں عائد کر دیتا ہے گویا حلال روزی پر بھی انسان کے مطلق حق تصرف کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ فرد کی ذات اور اخلاق و کردار کو تباہ کرنے والی اشیاء مثلاً شراب وغیرہ پر دولت صرف کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ نیز اسراف و تبذیر کی ہر شکل پر خرچ کرنے کو سختی سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ ﴿الاعراف:٣١﴾

کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں

3۔ مال و دولت جمع کرنے کی ممانعت:

اسلامی نظامِ معیشت میں حلال ذرائع سے حاصل کردہ دولت کو جائز کاموں میں میانہ روی کے ساتھ صرف کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دولت کو جمع کرنے کے رجحانات کی

پر زور مذمت کی گئی ہے۔

بخل اور اکتناز مال جہاں بخیل کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خیر و برکت کی بہت سی راہیں بند کردیتا ہے وہاں یہ معاشرے کیلئے بھی وبال بن جاتا ہے اس سے دولت کا بہاؤ رک جاتا ہے جس سے پیدا شدہ اشیاء پوری طرح فروخت نہیں ہو پاتیں۔ یہ صورت حال معیشت میں بحران پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے جس سے بالآخر بخیل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

4۔ گردشِ دولت کے فروغ کا اہتمام:

اسلامی نظام معیشت کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس میں اس بات کا بڑا موئثر اہتمام کیا گیا ہے کہ دولت چند طبقات میں محصور و مرکوز ہو کر نہ رہ جائے بلکہ یہ معاشرہ کے زیادہ سے زیادہ افراد کے درمیان گردش کرتی رہے۔ جس طرح انسانی خون کے رگوں میں رواں دواں رہنے سے جسم صحت مند رہتا ہے اسی طرح معیشت میں دولت کی گردش کا دائرہ جس قدر وسیع ہوگا اسی قدر معیشت صحت مند اور مستحکم ہوگی۔

زکوٰۃ و صدقات کے نظام سے بھی دولت کے ارتکاز کے امکانات بہت محدود ہو جاتے ہیں۔ تاہم جس نظام معیشت میں ذاتی ملکیت کو روا رکھا گیا ہو وہاں کسبِ حلال پر حدود و قیود کے باوجود نجی املاک معرضِ وجود میں آجاتی ہیں اور یوں دولت کے انجماد کی ایک شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ دولت کے اس جمود کو توڑنے کے لیے اسلام نے تقسیمِ وراثت کا قانون مقرر کیا ہے اس قانون کے تحت فوت ہونے والے ہر شخص کی جائیداد اس کے اہل و عیال اور قریبی اعزہ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

5۔ ریاست کا مثبت کردار:

اسلام کا معاشی نظام اگرچہ بنیادی طور پر آزادانہ معیشت کا نظام ہے تاہم اس کے

مقاصد کے حصول کے لیے ریاست بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایک طرف ریاست اپنے انتظامی اور قانونی اقدامات کے ذریعے اس بات کا اہتمام کرتی ہے کہ معاشی میدان میں ظلم واستحصال کی ہر شکل کا خاتمہ ہو اور لوگوں کو معاشی ضروریات پوری کرنے کی جملہ سہولیات حاصل ہوں تو دوسری طرف وہ معاشی نظام میں پیدا ہونے والی ناہمواریوں کے سدباب، بے روزگاری کے خاتمہ اور کامل روزگار اور قیمتوں کی مناسب سطح کے حصول کے لیے بھی کوشاں ہوتی ہے۔ اسلامی نظام معیشت کے تحت ریاست معاشی زندگی کے ہر شعبہ میں مثبت اور قائدانہ کردار ادا کرتی ہے تا کہ معاشی انصاف کا قیام عمل میں آسکے۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت

سرمایہ داری محض ایک معاشی نظام نہیں بلکہ ایک مخصوص اندازِ فکر اور طرزِ عمل کا نام ہے جو بنیادی طور پر اس تخیل سے جنم لیتا ہے کہ صاحب سرمایہ اپنے سرمایہ کو اپنی ذاتی قابلیت ومہارت اور علم وتدبر کا نتیجہ سمجھتا ہے اور اس اعتبار سے خود کو اس کے صرف واستعمال پر اپنے مطلق حق کا مستحق قرار دیتا ہے اور اس طرح کے احساس برتری میں مبتلا ہو کر اس حقیقت کو فراموش کر لیتا ہے کہ اس کی دولت وثروت کی تخلیق میں معاشرہ کے بہت سے دوسرے عوامل کا تعاون بھی شامل ہے جس کا عادلانہ معاوضہ ادا کرنا اس کی انسانی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ یوں اس ذہنیت سے کمزور افرادِ معاشرہ کے معاشی استحصال کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سرمایہ دار برتر معاشی حیثیت سے ایک طرف بلالحاظ جائز وناجائز مزید دولت پیدا کرنے کی دھن میں لگ جاتا ہے اور دوسری طرف کثرت مال کے نشہ میں بدمست ہو کر بیش قیمت مادی وسائل کو فلاحِ انسانی کے کام میں لانے کے بجائے عیش وعشرت اور لذت و خواہشات کی آگ میں جھونک دیتا ہے۔

یہ سرمایہ دارانہ طرزِ فکر اور اس سے پیدا ہونے والا معاشی ومعاشرتی فساد تاریخ

انسانی کے ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ قرآن پاک نے اس طرزِ فکر کے نمائندہ کے طور پر قارون کے کردار کو پیش کیا جس نے بنی اسرائیل کا فرد ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریک اصلاح اور معاشی و سیاسی اعتبار سے پسے ہوئے افراد کی بیداری کی کوششوں کا ساتھ دینے کی بجائے اس کی بھرپور مخالفت کی اور اپنے معاشی مفادات وتحفظ کے فروغ کے لیے فرعونی اقدار کا ساتھ دیا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے اس کو آلیا اور وہ اپنے مال واسباب سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

عہد حاضر کا سرمایہ داری نظام:

عہدِ حاضر میں جس معاشی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کہا جاتا ہے وہ اسی قارونی ذہنیت کی وسیع تر منظم اجتماعی شکل ہے۔ جس کا آغاز یورپ کے سوداگروں، ساہوکاروں اور صناعوں کے ہاتھوں جاگیرداری نظام کی شکست سے ہوا۔ تحریک احیائے علوم کے ظہور وفروغ سے علوم وفنون کے میدان میں جو ہمہ گیر ترقی وجود میں آئی اور جس کے نتیجے میں تجارت کی ایک نئی دنیا مغرب کے ہاتھ لگی اس نے ایک طرف انہیں معاشی اعتبار سے پیش قدمی کے گراں قدر وسائل مہیا کر دیے تو دوسری طرف معاشی ترقی کے عمل کو آگے بڑھانے کیلئے پیداوار کے وسائل بالخصوص سرمایہ کی ضرورت اور اہمیت کو بھی بہت نمایاں کر دیا۔ یوں عملی پیدائش اور اشیاء وخدمات کی اندرونی و بیرونی منڈیوں میں فروخت کے انتظامات کو مربوط اور منظم کرنے کے لیے نئی تنظیمات اور اداروں کا وجود ناگزیر ہو گیا اس سارے عمل کا مرکز ومحور چونکہ سرمایہ تھا اس لئے اس نسبت سے اس نظام عمل کو سرمایہ دارانہ نظام کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے ''صنعتی انقلاب'' تک یہ نظام یورپ میں اپنے گہرے اثرات قائم کر چکا تھا اور بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک امریکہ اور مغربی یورپ میں یہ اپنے نقطہ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ یورپی اقوام کی نوآبادیاتی توسیع کے دور میں اس نظام

حدود میں بے مثال وسعت پیدا ہوئی اور چند اشتراکی ممالک کو چھوڑ کر تمام ممالک پر اس کا اثر و تسلط قائم ہو گیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کی فکری بنیادیں

1۔ مادہ پرستی:

نظامِ سرمایہ داری مادی فلسفہ حیات سے ماخوذ ہے اس نظریہ کے مطابق حیات و کائنات کی اصل مادہ ہے۔ مادہ سے ماورا یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے انسان کی جدوجہد کا مرکز و محور مادی حاجات کی تسکین ہی ہونی چاہیے۔

2۔ آزادی:

فرد کو ہر شعبہ زندگی میں فکر و عمل کی کامل آزادی حاصل ہے کسی بالاتر ہستی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ فرد کی آزادی پر کوئی قدغن لگا سکے اس کامل آزادی کی موجودگی میں ہی فرد اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ ریاست کے اقتدارِ اعلیٰ کا کام بھی فرد کی آزادی کو محدود کرنا نہیں بلکہ اسے محفوظ کرنا ہے۔

افادیت پسندی:

فرد کی جملہ مساعی کا مقصود ذاتی مفاد کا حصول ہے وہ چیز، رویہ اور طرز عمل درست اور حق ہے جو فرد کے کسی فائدہ یا لذت و مسرت کا باعث ہو جو اس کیلئے نقصان، دکھ اور الم لائے وہ ناحق، باطل اور قابل رد ہے۔ اجتماعی طور پر وہی حکمت عملی مستحسن اور معقول ہے جو زیادہ سے زیادہ افراد کے لیے زیادہ سے زیادہ افادہ یا مسرت کو یقینی بنائے۔

ان فکری بنیادوں پر جو نظام تشکیل پائے گا لازم ہے کہ اس میں افرادِ معاشرہ کے درمیان وسائل معاش کو حاصل کرنے کے لئے شدید مسابقت ہو۔ آزادی فکر و عمل اس

مسابقت کو نہ صرف تیز کردے گی بلکہ اس کا رخ بالا دست طبقات کے حق میں کرے گی اور افادیت پسندی ان بالا دست طبقات کی استحصالی جدوجہد کو اخلاقی اعتبار سے سندِ جواز فراہم کردے گی ان عناصر کی موجودگی میں سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت استحصالی زہر سے کبھی پاک نہیں ہوسکتا۔

خوبیاں

1۔ وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ:

نجی ملکیت، محرکِ منافع اور معاشی آزادی کی بدولت افراد اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور اور بہترین انداز میں مظاہرہ کرتے ہیں جس سے قدرتی اور انسانی وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔ اشیاء خدمات کثیر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں اور عوام کو اپنی حاجات کی تسکین کا سامان میسر آجاتا ہے۔

2۔ ایجادات واختراعات:

ذاتی منافع کے محرکِ اور مسابقت کی موجودگی میں آجر ہر آن اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ پیداوار کے بہتر سے بہتر طریقے ان کی دسترس میں رہیں۔ اس جذبہ محرکہ سے نت نئی ایجادات، کام کے نئے طریقے اور تنظیم کاروبار کے ایسے اسلوب ظہور میں آتے رہتے ہیں جو کثیر پیداوار اور زود پیداوار کے ساتھ ساتھ پیداواری لاگت میں کمی کا باعث بننے والے ہوں۔

خامیاں

1۔ فکری لغزشیں:

سرمایہ دارانہ نظام مادہ پرستی، آزادی اور افادیت پسندی کی جن فکری بنیادوں پر استوار

ہے ان سے کبھی بھی پرسکون عادلانہ معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ مادہ پرستی کی کوکھ سے خود غرضی وخود پرستی جنم لیتی ہے جو معاشرے سے ہمدردی واخوت اور ایثار وخیر خواہی کے جذبات کو ختم کر کے باہمی کشمکش کا جہنم بھڑکا دیتی ہے۔ انسان اپنی ذات کے خول سے باہر دیکھنے سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے ایسے خود پسند، خود غرض اور خودسر انسانوں سے تشکیل پانے والا معاشرہ یا ملک کثرت وسائل کے باوجود معاشی مشکلات ومصائب سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

2۔ بے درد مسابقت:

سرمایہ دارانہ نظام میں مسابقت اور مقابلہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن یہی مسابقت اس کے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ مسابقت سے جو توقعات وابستہ کی جاتی ہیں وہ جس مفروضے پر قائم ہیں عملی زندگی میں وہ ناپید ہوتا ہے۔ مسابقت میں اس وقت ہی خیر برآمد ہو سکتی ہے جب مقابلہ کے تمام فریق قوت وطاقت میں برابر ہوں لیکن سرمایہ دارانہ نظام میں قوت وطاقت صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں کے پاس مرکوز ہوتی ہے۔ چھوٹے سرمایہ کار اور بالخصوص مزدوران کے سامنے ہیچ ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس نظام کے تحت نہ صرف چھوٹے سرمایہ کار جلد میدان پیدائش چھوڑ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں بلکہ مزدور بدترین استحصال کا نشانہ بنتے ہیں۔

3۔ غیر منصفانہ تقسیم

یہ نظام اپنی فطرت اور بنیاد کے اعتبار سے ہی سرمایہ داروں اور وڈیروں کے مفاد کے طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔ سرمایہ دار اپنے سرمایہ کے بل بوتے پر مزید دولت کماتے چلے جاتے ہیں اور قومی وسائل کا بڑا حصہ بتدریج چند بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھوں

میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ جبکہ افراد کی غالب اکثریت تہی دست ہو کر ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو جاتی ہے۔

4۔ معاشی بحران:

اس نظام کے تحت پیدا ہونے والے ارتکاز دولت کے نتیجہ میں علمۃ الناس کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے جس سے پیدا شدہ اشیاء کی طلب کم ہو جاتی ہے اور اشیاء کا نکاس رک جاتا ہے جبکہ دوسری طرف بڑے پیانے کی پیدائش کے نتیجہ میں زائد از ضرورت پیداوار کے انبار لگ جاتے ہیں یہ صورتِ حال معیشت کو زبردست بحران سے دوچار کر دیتی ہے۔

5۔ سودی کاروبار کی قہر سامانیاں:

سود سرمایہ دارانہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہاں پیداواری کاموں کے لیے سرمایہ کی فراہمی کا سب سے بڑا ذریعہ سود ہے لیکن سود ہی بار بار اسے معاشی تباہی کے کنارے لے جاتا ہے۔ ارتکاز دولت کا ایک بڑا سبب سود ہی ہے جو تقسیمِ دولت کی ناہمواری کو بڑھا کر طبقاتی کشمکش کی فضا پیدا کرتا ہے یوں معیشت کو مستقل طور پر بے روزگاری کا روگ لگائے رکھتا ہے۔

6۔ معاشی وسائل کا غلط بہاؤ:

اس نظام کے تحت معاشی وسائل ان پیشوں کا رخ کرتے ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ منافع ملنے کی توقع ہے۔ خواہ سماجی اعتبار سے وہ کتنے ہی کمتر اور حقیر بلکہ باعث فساد ہی کیوں نہ ہوں۔

7۔ ریاست کی عدم مداخلت:

ریاست کی عدم مداخلت کی پالیسی سے سرمایہ داروں کو کھل کر کھیلنے کی چھٹی مل جاتی

ہے اور انہیں من مانی سے روکنے والا کوئی مؤثر ادارہ موجود نہیں رہا۔ جمہوریت جیسے نہایت مہنگے نظام حکومت نے سیاسی اقتدار بھی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں دے دیا ہے جس کے سہارے وہ اپنے مفادات کو اور زیادہ محفوظ بنانے پر قادر ہو گئے ہیں ان حالات میں کمزور طبقات کے حقوق و مفادات کا تحفظ بے حد مشکل بنا دیا گیا ہے۔

8۔ مہنگا طرزِ زندگی:

اس نظام نے جس طرز زندگی کو جنم دیا ہے وہ بہت مہنگا ہے خورد و نوش، لباس، رہائش، علاج معالجہ اور تعلیم و تفریح کا جو معیار عملاً معاشرہ میں رائج ہوتا ہے وہ سرمایہ داروں کی پسند کے مطابق ہوتا ہے۔ جس کی پشت پر ان کا مصنوعی وقار، معاشرتی تفاخر اور نام و نمود کا جذبہ ہوتا ہے۔ معیارِ زندگی کی چمک دمک کو بڑھانے کی دھن میں مصارف زندگی بھی بڑھ جاتے ہیں جن کے بوجھ تلے کم آمدنی والے افراد پس کر رہ جاتے ہیں۔

9۔ غربت کے سائے:

اس نظام کے تحت کثیر پیداواری اور زود پیداواری کے نتیجہ میں معاشی خوشحالی کے ثمرات عملاً صرف چند سرمایہ داروں کا مقدر بن کر رہ جاتے ہیں جب کہ عوام کی غالب اکثریت غربت و افلاس کے مہیب سائے میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

10۔ بے روزگاری:

ارتکازِ دولت کی طرح بے روزگاری کا روگ اس نظام کا لازمی جزو بن چکا ہے زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کیلئے آجر جاذب سرمایہ طریقہ ہائے پیدائش کو ترجیح دیتے ہیں جس کے نتیجے میں مزدور بے کار ہو جاتے ہیں۔ آج بھی دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ دارانہ ترقی یافتہ ممالک میں بے روزگاری کا وجود سوہان روح بنا ہوا ہے۔

اشتراکی نظامِ معیشت

سوشلزم یا اشتراکیت سے مراد وہ نظامِ معیشت ہے جس میں ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں ان سے استفادہ کرنے کا کام ایک مرکزی ادارے کے سپرد ہوتا ہے جس کی ہدایت کے مطابق اشیاء و خدمات پیدا کی جاتی ہیں۔ یہی ادارہ اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ کون سی اشیاء کس مقدار میں پیدا کی جائیں اور انہیں پیدا کرنے کیلئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اشیاء کی تقسیم کا کام بھی اسی مرکزی ادارے کی ہدایات کے مطابق انجام پاتا ہے۔

پس منظر:

ذرائع پیداوار کی قومی ملکیت کا تصور یوں تو افلاطون جیسے قدیم مفکرین کی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے لیکن یورپ میں صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہونے والے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مزدوروں کو جس ظالمانہ استحصال کا نشانہ بننا پڑا اس کے ردعمل میں متعدد مفکرین و مصلحین نے یہ تصور پیش کیا کہ اس ظلم کا منبع چونکہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کا وجود ہے اس لئے ظلم و استحصال کے خاتمہ کی بس یہی ایک شکل ہے کہ نجی ملکیت کے ادارہ کو ختم کر کے وسائل پیداوار اجتماعی یا ریاستی تحویل میں لے لئے جائیں۔

اشتراکی نظام کی خصوصیات

1۔ نجی ملکیت کا خاتمہ:

اشتراکی نظامِ معیشت کا اولین اصول وسائل پیداورا کی نجی ملکیت کا خاتمہ ہے اس نظام کے تحت ماسوائے اشیائے ضرورت کے کوئی چیز بھی نجی ملکیت میں نہیں رہتی۔

2۔ مرکزی منصوبہ بندی:

قومی وسائل سے استفادہ کرنے اور عوام کی ضروریات کی اشیاء پیدا کر کے ان تک پہنچانے کا کام جامع منصوبہ بندی کے ذریعے انجام پاتا ہے۔

3۔ آمدنیوں میں بے جا تفاوت کا خاتمہ:

ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق معاوضہ ادا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جس سے آمدنیوں میں بے جا تفاوت ختم ہو جاتا ہے نیز لگان، سود اور ذاتی منافع کے خاتمہ سے تقسیم دولت کا نظام بہتر بنیادوں پر قائم ہو جاتا ہے۔

5۔ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی:

اس نظام کے تحت جہاں منصوبہ بندی کے ذریعے ہر فرد سے اس کی طاقت اور صلاحیت کے مطابق کام لیا جاتا ہے وہاں اس کی ضرورت کی فراہمی کا بھی حکومتی سطح پر انتظام کیا جاتا ہے جس سے افراد کو معاشی تحفظ کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے۔

خوبیاں

1۔ ضیاع وسائل کا خاتمہ:

وسائل پیداوار کا استعمال چونکہ ایک ہمہ گیر منصوبہ کے تحت ہوتا ہے اس لئے اشیاء و خدمات کی اتنی ہی مقدار پیدا کی جاتی ہے جو ضرورت کے مطابق ہو اس سے وسائل کا کثیر ضیاع جو سرمایہ دارانہ مقابلہ میں لازماً ظہور میں آتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔

2۔ استحصال کا خاتمہ:

اس نظام کے تحت ذاتی منافع کے حصول کا کوئی امکان نہیں ہوتا اس لیے زیر دستوں

کے استحصال اور معاشی لوٹ کھسوٹ کا سد باب ہو جاتا ہے۔

3۔ ارتکازِ دولت کا خاتمہ:

چونکہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق ہی معاوضہ ملتا ہے اور اس کے علاوہ دولت کمانے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہوتا اس لئے قومی دولت کے چند افراد کے ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

4۔ معاشی بحران سے نجات:

اس نظام کے تحت چونکہ اشیاء و خدمات ملکی طلب کے عین مطابق پیدا کی جاتی ہیں اس لیے زائد از ضرورت پیداواری امکان ختم ہو جاتا ہے۔ مزید براں سود کی عدم موجودگی سے بھی معیشت بہت سے مہلک امراض سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

5۔ بے روزگاری کا خاتمہ:

اس نظام کے تحت عمل پیدائش کو ایک ہمہ گیر منصوبہ کے مطابق رواں رکھا جاتا ہے جس سے تمام اہل افراد کو برسرِ روزگار رکھنا ممکن ہو جاتا ہے۔

خامیاں

1۔ مادی نقطہ نظر:

یہ نظام زندگی کے مادی نقطہ نظر پر مبنی ہے اس کے نزدیک حیات و کائنات کی ابتداء و انتہاء اور حقیقت محض مادہ ہے۔ اس لئے انسان کا اصل مسئلہ مادی احتیاجات اور حسی ضروریات کی تسکین ہے۔ زندگی کا مادی تصور نہ صرف حقیقت کے خلاف ہے بلکہ اس سے انسان اپنے اعلیٰ ملکوتی مقام سے گر کر حیوانی سطح پر آ جاتا ہے اور محض پیٹ کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ارفع اخلاقی اقدار اس کی زندگی سے خارج ہو جاتی ہیں۔

2۔ آزادی کا خاتمہ:

اس نظام کے تحت انسان دو وقت کی روٹی کے لیے حکومت کا بندہ و غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ معاشی اور سیاسی طاقت حکومت کے ہاتھ میں مرکوز ہوتی ہے اور افراد فکر و عمل کی آزادی سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں۔

3۔ جذبہ کار کی کمی:

ذاتی منافع کے محرک ختم ہو جانے سے افراد میں سوچ و بچار اور کام کے نئے انداز کی تلاش کا جذبہ کم ہو جاتا ہے جس سے ایجادات و اختراعات کی دریافت کا عمل متاثر ہوتا ہے لوگوں میں معاشی میدان میں ذہنی پیش رفت کی ترغیب باقی نہیں رہتی اور یوں معاشی ترقی کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔

4۔ منصوبہ بندی کی خامیاں:

منصوبہ بندی کے تحت عوام کی ذاتی پسند و ناپسند کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا بلکہ عمومی مفاد کے پیش نظر ہی اشیاء پیدا کی جاتی ہیں۔ منصوبہ بندی کے اہداف کا تعین کرتے ہوئے بھی افراد کی صلاحیت اور سہولت کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ حکومتی ترجیحات کے مطابق ہی فیصلے نافذ کیے جاتے ہیں اور لوگوں سے ان اہداف کی تکمیل بزور و جبر کرائی جاتی ہے۔

5۔ میدان عمل میں ناکامی:

اشتراکی نظام میدان عمل میں اپنے مقاصد حاصل کرنے سے قاصر رہا ہے روس جیسے مثالی اشتراکی ملک میں تمام تر ظلم و جبر اور آزادی سے محرومی کے باوجود پیداوار کا معیار سرمایہ دارانہ ممالک کی نسبت کم رہا ہے۔ یہ نظام تقریباً ستر سال تک روس اور مشرقی یورپ کے بعض ممالک میں قائم رہا لیکن اسے عوام کا خوشدلانہ تعاون حاصل نہ ہو سکا۔ جس کا نتیجہ

یہ نکلا کہ جب گورباچوف کے اقتدار حکومت کے آخری سالوں میں عوام کو اظہارِ خیال وغیرہ کی کچھ آزادی حاصل ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے اس جبری نظام سے گلوخلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دی اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں کے اندر اس نظام کی فلک بوس عمارت ملبہ کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔

اسلامی نظام معیشت اور دیگر معاشی نظاموں کا موازنہ

اسلام کے تجویز کردہ معاشی نظام اور عہد حاضر کے دیگر معاشی نظاموں مثلاً سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام معیشت میں اصولی اور بنیادی فرق یہ ہے کہ موخر الذکر نظاموں میں انسان کے معاشی مسئلہ کو انسانی زندگی کے مجموعی طرزِ عمل سے الگ کر کے اس کا مطالعہ و تجربہ کیا جاتا ہے اور اس بات کو زیادہ درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا کہ معاشی مسئلہ کے حل کی کوئی تدبیر اجتماعی حیات کے دوسرے شعبوں پر کیا اثر ڈالتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام انسان کے معاشی مسئلہ کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مجموعی تناظر میں رکھ کر اس کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے حل کی ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جو نہ صرف درپیش معاشی مسئلہ کو حسن و خوبی سے حاصل کرنے والی ہوں بلکہ ان سے اجتماعی زندگی کے کسی پہلو پر برے اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں۔

اس اصولی اختلاف کے علاوہ بھی اسلامی نظام معیشت سرمایہ داری اور اشتراکیت سے کئی پہلوؤں سے مختلف ہے۔

اسلام اور سرمایہ داری نظام کا فرق

1۔ نجی ملکیت:

ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس تصور ملکیت میں جو اسلام نے دیا ہے اور اس تصور میں جو سرمایہ دارانہ نظام میں قائم کیا گیا ہے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام کے نزدیک ہر قسم کی املاک افراد کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اس امانت کا حصول خالق کائنات کی مرضی و منشاء کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ حرام اور ناجائز ذرائع جن کا تعین خود شریعت نے کر دیا ہے، اس کے ذریعے حاصل کردہ املاک پر اسلام فرد کے حق ملکیت کو تسلیم ہی نہیں کرتا اسی طرح حلال ذرائع سے حاصل کردہ املاک پر تصرف بھی منشائے خداوندی کے مطابق ہی کیا جا سکتا ہے۔ شریعت اسلامی سے روگردانی کر کے کسی ملکیت سے ذاتی ضروریات کی تسکین یا کاروباری اغراض کے لیے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صورت حال سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے تحت قائم ہونے والے حق ملکیت سے بالکل مختلف ہے۔

2۔ سود:

سود سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت رکھتا ہے۔ سرمایہ کی تخلیق و تشکیل اور پیشہ وارانہ حرکت پذیری کا دارومدار اسی پر ہے۔ تمام پیداواری شعبوں کی رگوں میں خون سود کی نالیوں کے ذریعے پہنچتا ہے اور پھر ان ہی سودی نالیوں کے ذریعے علمۃ الناس کی محنت شاقہ سے پیدا ہونے والی آمدنیاں بڑے بڑے سرمایہ داروں اور سود خوروں کی تجوریوں میں جمع ہو جاتی ہیں جنہیں وہ مزید سودی قرضے پر دے کر لوگوں کی آمدنیوں کو مسلسل اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظامِ معیشت میں سود کی قطعی طور پر ممانعت کر دی گئی ہے۔

3۔ تقسیمِ دولت:

معاش کا چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے کا رجحان رکھتا ہے۔ اس نظام کے تحت افراد کو جو معاشی آزادی حاصل ہوتی ہے وہ بہت سرعت سے معاشی اجارہ داریوں کے معرض وجود میں آنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ اجارہ داریاں وسیع پیمانے پر ملکی سطح پر اور بالآخر بین الاقوامی سطح پر انسانوں کے معاشی استحصال کے منظم اداروں کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ سود ان اجارہ داریوں کو وجود میں لانے اور ان کے دائرہ اثر کو وسعت دینے میں بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

سرمایہ دارنہ نظام معیشت میں دولت کو امراء سے غربا کی طرف منتقل کرنے کا کوئی موثر داخلی نظام موجود نہیں صرف خارجی طور پر محصولات کے ذریعے ہی وسائل اصحاب ثروت سے لے کر محروم طبقات تک پہنچائے جا سکتے ہیں مزید برآں سرمایہ دار طبقات مختلف حیلوں سے محصولات کے بوجھ سے بالعموم بچ نکلتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلامی نظام معیشت اکتساب رزق کی جدوجہد کو حلال ذرائع کا پابند بنا کر دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے کے امکانات کو بالکل محدود کر دیتا ہے۔ اسلام حصولِ دولت کے ان تمام اقدامات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو معاشی اجارہ داریوں کے معرضِ وجود میں آنے کا سبب بنیں اسی طرح اسلام دولت کے خرچ پر پابندیاں عائد کر کے بھی لوگوں کی حصولِ زر کی ہوس کو کمزور کر دیتا ہے۔

اسلام معاشی استحصال کی ہر شکل کی بیخ کنی کرتا ہے اور معاشی تدابیر کے ساتھ ساتھ افراد کے اخلاق و کردار کو بہتر بنا کر تقسیم دولت کے نظام کو منصفانہ بنانے کی راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کا سد باب کرتا ہے۔

اسلام اور اشتراکی نظامِ معیشت کا فرق

1۔ فکر و نظر کا اختلاف:

اسلامی نظامِ معیشت اور اشتراکی نظام میں فکر و نظر کا بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اشتراکی نظام نے مادیت کی کوکھ سے جنم لیا ہے اس کے نزدیک مادی ضروریات ہی انسان کی حقیقی ضروریات ہیں اس لئے انسان کو ان ہی ضروریات کے لیے مصروف جدوجہد رہنا چاہیے اس کے برعکس اسلام اس مادی دنیا کے علاوہ ایک عالم بالا کا تصور بھی دیتا ہے جو ابدی و دائمی ہے۔ اس لیے اسلام کے تجویز کردہ ضابطہ حیات میں دنیا اور آخرت دونوں کی اصلاح و فلاح کا پروگرام موجود ہے جبکہ اشتراکی فکر کی پرواز اسی مادی عالم (دنیا) کے اندر محدود ہے۔

2۔ اجتماعی ملکیت:

اشتراکی نظام معیشت کا بنیادی تصور نجی ملکیت کی نفی اور اس کی جگہ ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت کا تخیل ہے اس نظام کے تحت تمام چھوٹے چھوٹے کاشت کاروں، سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور تاجروں کے وجود کو ختم کر کے تمام پیداواری وسائل کو حکومت کی تحویل میں لے لیا جاتا ہے اس طرح کثیر تعداد سرمایہ داروں کی جگہ ملک میں ایک ہی بڑا سردار رہ جاتا ہے اور چونکہ سیاسی اقتدار و اختیار بھی اس کے پاس ہوتا ہے اس لیے سیاسی اور معاشی قوت کو ایک جگہ مرکوز ہو جانے سے فرد کی حریت فکر اور آزادی عمل بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

اسلامی نظریہ حیات میں انسان کی حریت فکر اور آزادی ضمیر کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ اس کی موجودگی میں ہی انسان خلافت الٰہی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ایسی تدابیر اختیار کی گئی ہیں جو معاشی ضروریات کی تسکین کے ساتھ ساتھ انسان کی حریت فکر اور فطری آزادی کو بھی فروغ دینے والی ہیں۔ اشتراکی نظامِ معیشت کے برعکس اسلام نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے البتہ مضر پہلوؤں سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کے حصول اور استعمال پر ضروری پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔ اسلام ناگزیر حالات میں بعض ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لینے کی بھی اجازت دیتا ہے تاہم یہ اس کے معاشی فکر و

فلسفہ کا بنیادی جزو نہیں اسے صرف ناگزیر تدبیر کے طور پر ہی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

3۔ ذاتی منافع محرکہ:

اشتراکی نظامِ معیشت میں چونکہ ذرائع پیداوار اور تمام کاروباری ادارے حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں اور افراد محض سرکاری کارندوں اور ملازموں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں اس لیے ان میں کام کی آمادگی کا معیار اور رجحان وہ نہیں ہوتا جو نجی منافع کے حصول کی تحریک سے افراد میں پیدا ہوتا ہے۔ اسلام نے نجی ملکیت کے ادارہ کو برقرار رکھ کر افراد کے اس فطری رجحان کو زندہ رکھا ہے تاکہ وہ ذاتی منافع کے حصول کے لیے اپنی فکری و عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اس سے افراد کو اپنی قابلیتوں اور توانائیوں کی جولانیاں دکھانے کے مواقع حاصل رہتے ہیں اور ان کے جذبہ کار میں کسی لمحہ بھی کمی نہیں آتی۔

اشتراکیت اور سرمایہ داری.........ایک ہی سکہ کے دو رخ

سرمایہ داری اور اشتراکیت اپنے بنیادی فکر و فلسفہ کے اعتبار سے ایک ہی شجر خبیث یعنی مادہ پرستی کی دو شاخیں یا ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں اس لیے مختلف سمتوں کی طرف رخ رکھنے کے باوجود دونوں کے نتائج و ثمرات ایک جیسے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی منافع کے حصول کی ہوس نے افراد کو اجتماعی مفاد سے بے بہرہ کر دیا اس نظام نے معاشی آزادی کے نام پر بڑے بڑے سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کو لوگوں کے معاشی استحصال کی کھلی چھٹی دے دی ہے تو اشتراکی نظام معیشت میں اجتماعی ملکیت کے نام پر افراد سے ان کی املاک ہی نہیں بلکہ فکر و ضمیر کی آزادی بھی چھین لی گئی ہے گویا دونوں نظام فکر و عمل کے اعتبار سے اجتماعی عدل جو حقیقت میں افراد انسانی کیلئے سکون و راحت کا ضامن ہے، اس کو تباہ کرنے والے ثابت ہوتے ہیں۔

نوٹ: یہ مواد "اسلامی معاشیات" سے حذف و اختصار کے ساتھ اخذ کیا گیا ہے۔

فصل دوم

حلال کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

دین اسلام میں یہ بڑی واضح حقیقت ہے کہ کائنات کی ہر شئی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے یہاں تک کہ انسان کے وہ وسائل جن پر اس کی روزی کا انحصار ہے وہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

﴿المؤمنون ۸۴-۸۵﴾

تم فرماؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو اب کہیں گے اللہ کا تم فرماؤ پھر کیوں نہیں سوچتے۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ○ ﴿الواقعۃ:۶۳-۶۵﴾

تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم چاہیں تو اسے روندن (پامال) کردیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

مذکورہ آیات قرآنیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر شئی کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اب انسان اس کا بندہ ہونے کی حیثیت سے کسی بھی شئی میں تصرف کرنے میں اس کے احکام کا پابند ہے جن چیزوں کے استعمال کی قرآن نے اجازت دی ہے ان کا استعمال جائز ٹھہرا اور جن سے منع کیا گیا ہے ان کو استعمال میں لانا ناجائز وحرام قرار پایا چنانچہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں انسان کی رہنمائی فرمائی کہ حلال کے کتنے فوائد ہیں اور حرام میں کیا

قباحتیں ہیں۔ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ ﴿البقرة:۱۶۸﴾

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ رب العزت نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ ﴿البقرة:۱۷۲﴾

اے ایمان والو کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور اللہ تعالیٰ کا احسان مانو اگر تم اس کو پوجتے ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

﴿البقرة:۶۰﴾

کھاؤ اور پیو خدا کا اور زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو۔

ایک اور مقام پر رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا:

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ ﴿النحل:۱۱۴﴾

تو اللہ کی دی ہوئی حلال پاکیزہ روزی کھاؤ۔

مذکورہ بالا آیات مقدسہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو حلال اور پاکیزہ رزق کھانے کا حکم ارشاد فرماتا ہے اور ناپاک رزق استعمال کر کے شیطان کی پیروی سے

منع فرماتا ہے لہٰذا اہلِ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آیاتِ مقدسہ کے مفاہیم کو ہمہ وقت اپنے ذہن میں رکھیں تا کہ وہ شیطانی چنگل سے محفوظ رہ سکیں اور اپنے رزق کو حرام کی آمیزش سے بچائیں تا کہ وہ احکام خداوندی کو بجالا کر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کریں۔

جب ہم اس سلسلے میں ذخیرہ احادیث پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں کثیر احادیث ایسی ملتی ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو رزق حلال کی تلقین فرمائی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عظمت نشان ہے:

ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ ﴿سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۵﴾

بے شک سب سے پاکیزہ رزق جو آدمی کھاتا ہے وہ اس کے ہاتھ کی کمائی ہے

حضرت ابن عمر راوی ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشھداء یوم القیمۃ

﴿سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۵﴾

سچا مسلمان امانتدار تاجر قیامت کے روز شہیدوں کے ساتھ ہوگا

ان احادیث کی روشنی میں کسب حلال اور رزقِ حلال کی فضیلت معلوم ہوئی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اپنے ہاتھ سے کمانے کی بھی تلقین فرمائی اور اسے سب سے پاکیزہ رزق قرار دیا جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہے ایسے شخص کا اجر یہ ہے کہ اگر وہ تجارت وکسب میں امانت ودیانت کا دامن تھامے رکھے تو کل بروز قیامت اس کو شھداء کا قرب نصیب ہوگا۔ یہ سب رزق حلال کی ہی برکتیں ہیں کہ جب انسان اپنے آپ کو اللہ جل جلالہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے جھکا لیتا ہے تو اس کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے اور وہ بربادی سے بچ جاتا ہے۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماکسب الرجل کسبا اطیب من عمل یدہ

﴿سنن ابن ماجه جلد ۱ صفحہ ۱۵۵﴾

فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کمائی نہیں جو حلال مال آدمی خود اپنے اوپر اور اپنے اہل پر اور اپنی اولاد اور خادم پر خرچ کرے وہ بھی اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

کسب حلال کے متعلق شریعت مطہرہ کے اصول وضوابط

تجارت وکسب حلال سے متعلق شریعت مطہرہ میں کئی اصول موجود ہیں جن سے انسان رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔

پہلا اصول: خرید وفروخت میں دھوکہ دہی اور فریب کاری سے بچنا چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن النجش ﴿سنن ابن ماجه جلد ۱ صفحہ ۱۵۵﴾

بے شک نبی علیہ السلام نے نجش (دھوکہ) سے منع فرمایا

اہل لغت نے نجش کی تعریف یوں کی ہے:

بغیر ارادۂ خریداری دوسروں کو پھنسانے کیلئے قیمت بڑھانا

﴿مصباح اللغات اردو صفحہ ۸۵۶﴾

دوسرا اصول: فروخت کی جانے والی چیز کا شریعت کی نگاہ میں مال تجارت ہونا ضروری ہے لہٰذا وہ چیزیں جن کا استعمال شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً شراب، خنزیر وغیرہ تو ان کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہوگی۔

تیسرا اصول: جو چیز بیچی جارہی ہو بیچنے والے کا اس کا مالک ہونا شرط ہے اگر اس شے پر اس کی ملکیت نہیں تو یہ عقد درست نہیں ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کیا میں ایسی چیز کی بیع کرسکتا ہوں جو میرے پاس نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تبع ما ليس عندك
﴿سنن ابن ماجه جلد۱ صفحہ۱۵۵﴾

یعنی تو اس چیز کی بیع نہ کر جو تیرے پاس موجود نہیں

چوتھا اصول: تجارت میں خرید وفروخت کے وقت جھوٹ اور قسم سے بچنا چاہیے کیونکہ حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر التجار ان البیع لیحضر اللغو والحلف فشوّبوہ بالصدقة

﴿سنن ابن داؤد جلد ۲ صفحہ۱۱۶﴾

اے تاجروں کے گروہ! بے شک بیع میں فضول باتوں اور قسم کو ملالیا جاتا ہے لیکن تم اس کے ساتھ صدقہ ملالیا کرو

پانچواں اصول: تجارت میں سود سے بچنا چاہیے سود آجانے کی وجہ سے تجارت ناجائز ہوجاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا
﴿البقرة:۲۷۵﴾

اور اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔

چھٹا اصول: ناپ تول میں کمی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○
﴿المطففین :۱﴾

کم تولنے والوں کی خرابی ہے۔

ساتواں اصول: مال کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحتکر الا خاطی
﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ۱۳۲﴾

یعنی مال کی ذخیرہ اندوزی صرف خطا کار شخص ہی کرے گا

آٹھواں اصول: مال کے اندر ملاوٹ نہیں ہونی چاہیے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سرکارِ دو جہاں ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو اناج فروخت کر رہا تھا آپ علیہ السلام نے اس میں اپنا دست مبارک داخل کیا تو وہ (اناج) گیلا تھا چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لیس منا من غش ﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۳۳﴾

جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں

نواں اصول: خرید و فروخت میں مبیع (بیچی جانے والی چیز) مجہول نہ ہو جیسے کہ حاملہ کے حمل کی بیع کرنا کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع حبل الحبلۃ ﴿سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۲۶﴾

کہ نبی علیہ السلام نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا

دسواں اصول: منڈی سے باہر جا کر تاجروں سے سودا طے نہ کیا جائے بلکہ انہیں منڈی میں بیچنے دیا جائے کیونکہ نبی علیہ السلام نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

لا تلقوا السلع حتی یھبط بھا الا سواق ﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۳۱﴾

مال کے لیے آگے جا کر نہ ملو بلکہ اسے منڈیوں میں بیچنے دو۔

اس کے علاوہ بھی تجارت سے متعلقہ کئی اصول وضوابط ہیں جو کتب احادیث وفقہ میں مذکور ہیں لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر صرف دس اصول ہی بیان کیے گئے ہیں ان سب اصولوں کی روشنی میں معلوم ہوا کہ اسلام کی منشاء یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت کسی بھی فریق کو نقصان نہ ہو اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے اہل اسلام کو ایسی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں جن کو سامنے رکھ کر انسان خود بھی دھوکے اور فریب سے بچ سکتا ہے اور اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو بھی بچا سکتا ہے۔

فصل سوم

حرام کی مذمت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بعض اشیاء کو حلال قرار دیا اور بعض ایسی چیزیں ہیں جن کو حرام ٹھہرایا تو جو کچھ نگاہِ قدرت میں حلال ہے اس سے نفع حاصل کرنا انسان کیلئے جائز ہے اور جو کچھ حرام ہے اس سے اجتناب کرنا انسان کے لیے بے حد ضروری ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴿النساء :۲۹﴾

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔

1۔ رشوت

رشوت معاشرے کا ایک ایسا ناسور ہے جس کی وجہ سے معاشرہ دن بدن ترقی کے بجائے پستی و تنزلی کا شکار ہوتا ہے اور مالدار لوگ رشوت کا سہارا لے کر ہر جائز و ناجائز کام میں حصہ لے کر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں جبکہ غریب غربت کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہوتا ہے کہ اس کے لیے ایسے معاشرے میں ترقی کی سب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O

﴿البقرة :۱۸۸﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو جان بوجھ کر۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رقمطراز ہیں:

اس آیت میں باطل طور پر کسی کا مال کھانا حرام فرمایا گیا خواہ لوٹ کر یا چھین کر یا چوری سے جوئے یا حرام تماشوں یا حرام کاموں یا حرام چیزوں کے بدلے یا رشوت یا جھوٹی گواہی یا چغل خوری سے یہ سب ممنوع و حرام ہے۔ ﴿خزائن العرفان صفحہ ۵۳۔۵۴﴾

اس آیت کریمہ سے ایک مسئلہ کا استنباط فرماتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز فائدہ کیلئے کسی پر مقدمہ بنانا اور اس کو حکام تک لے جانا ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح اپنے فائدے کی غرض سے دوسرے کو ضرر پہنچانے کیلئے حکام پر اثر ڈالنا رشوتیں دینا حرام ہے۔

2۔ چوری

انسان بڑی مشکل سے محنت کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے کماتا ہے جس سے وہ اپنے بچوں کے مستقبل کو بہتر بنانے کیلئے کچھ رقم محفوظ رکھتا ہے تا کہ اس کو استعمال کر کے اس کے بچوں کی زندگی خوشگوار طریقے سے گزر سکے اب اگر کوئی ظالم شخص اس کی خون پسینے کی کمائی کو ہتھیانے کے لیے اس کا مال چرا لے تو اس انسان کی ساری محنت برباد ہو جاتی ہے اور اس کا دل افسردگی و غم کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اس لیے اسلام نے اس جرم کی بڑی سخت سزا متعین فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

اور جو مرد یا عورت چور تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کیے کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

3۔ معاشرتی برائیاں:

جوا اور شراب جیسی برائیاں معاشرے کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اور ان سے بے شمار معاشی برائیاں بھی جنم لیتی ہیں ایسی تمام برائیوں سے قرآن مجید میں بڑی سختی سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O

﴿المائدة :۹۰﴾

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

4۔ خیانت:

اللہ تعالیٰ نے خیانت جیسی برائی سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَO

﴿الانفال:۲۷﴾

اے ایمان والو اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت

عن عبداللّٰہ بن مسعود عن رسول اللّٰہ ﷺ قال لا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منه فیقبل منه ولا ینفق منه فیبارك له فیه ولا یترکه خلف ظهره الا کان زاده الی النار لا یمحوا اللّٰہ السیئ بالسیئ ولکن یمحوا السیئ بالحسن ان الخبیث لا یمحوا الخبیث

﴿مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا کہ بندہ حرام مال کمائے پھر خیرات کرے تو وہ قبول ہوجائے اور نہ یہ کہ اُسے خرچ کرے اور اُس میں برکت ہو اور اُس حرام کو پسماندگان کے لیے نہ چھوڑے مگر یہ اُس کا آگ کا توشہ ہوگا اللہ تعالیٰ برائی سے برائی نہیں مٹاتا لیکن بھلائی سے برائی مٹاتا ہے بے شک خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث پاک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لعن رسول اللّٰہ ﷺ الراشی المرتشی ﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۸﴾

نبی کریم ﷺ نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے

امراء و حکام کے لیے ہدایات:

امام ابوداؤد بجستانی اپنی سنن میں سندِ صحیح کے ساتھ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یا یها الناس من عمل منکم لنا علی عمل فکتمنا منه مخیطافما فوقه فهو غل یاتی به یوم القیمة ﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۸﴾

تم میں سے ہم جس کو کسی کام پر عامل مقرر کریں تو وہ سوئی کے دھاگے کے

برابر بھی کوئی چیز چھپائے یا اس سے بھی کم تو وہ خیانت ہے اور روزِ قیامت اس کے ساتھ حاضر ہوگا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

من شفع لاخیه شفاعة فاهدی له هدیة علیها فقبلها فقداتی بابا عظیما من ابواب الربا ﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحه ۱۴۳﴾

جو اپنے مسلمان بھائی کی سفارش کرے اور وہ اس احسان کے باعث اس کیلئے تحفہ بھیجے اور یہ اسے قبول کر لے تو سود کے دروازوں میں ایک بہت بڑے دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر معلوم ہوئی کہ اسلام کی نگاہ میں حرام طریقے سے مال کمانے کی کتنی مذمت ہے کہ اگر کوئی شخص رشوت لے یا دے تو نگاہ مصطفیٰ ﷺ میں ملعون ٹھہرے اور اگر سوئی کے دھاگے یا اس سے بھی کم تر چیز میں دھوکہ کرے تو بروزِ محشر جوابدہ ہوگا۔

جب اسلام اتنی چھوٹی سی خیانت کو بھی نا قابل معافی جرم گردانتا ہے تو کیا اس کی نگاہ میں لوٹ مار، چوری، ڈاکہ زنی اور غصب جائز ہوگا؟

اکل حرام کے متعلق امام غزالی علیہ الرحمۃ کی گفتگو:

، حرام کی مذمت بیان کرتے ہوئے حجۃ الاسلام علامہ محمد الغزالی فرماتے ہیں

”اللہ تعالیٰ ہر انسان کو خواہ وہ دنیا کو اچھا سمجھتا ہو یا برا دنیا دیتا ہے اور دین اسے دیتا ہے جو دین کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے دین دیتا ہے اسے محبوب رکھتا ہے بخدا بندہ اس وقت تک کامل مسلمان نہیں بنتا جب تک کہ اس کی زبان اور دل اسلام نہ لائے اور اس کی زبان اور دل سے لوگ

سلامت نہ رہیں اور اس وقت تک بندہ مومن نہیں بنتا جب تک اس کے ہمسائے اس کے کینے اور ظلم سے محفوظ نہ ہوں اور بندہ حرام کی کمائی سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس میں سے اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور نہ راہ خدا میں اس کو دینے سے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور جو مال وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ اس کیلئے جہنم کا سامان ہوتا ہے"۔

﴿مکاشفة القلوب صفحہ ۳۵۹﴾

خلاصہٴ کلام

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام مال کمانے سے نہیں روکتا لیکن اکتسابِ مال کے لئے جائز و ناجائز ذرائع کی نشاندہی کرتا ہے اور مال میں حلال وحرام کی تمیز کرنے کا درس دیتا ہے نیز حرام سے اجتناب اور حلال کو اپنانے کا حکم دیتا ہے۔

معاشی معاملات میں حلال وحرام، جائز و ناجائز کے حوالے سے بنیاد یہ ہے کہ وہ ذرائع جن میں دوسرے شخص کی مجبوری، سادگی اور ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا فریب، دھوکہ دہی اور ظلم وزیادتی سے کسی کے مال پر قبضہ جمالیا گیا ہو وہ تمام ذرائع شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں ممنوع ہیں۔

اسلامی نقطہٴ نظر سے کسب مال کے وہ تمام ذرائع ناجائز وحرام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور تعلیمات نبویہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو نیز وہ امور جن سے کسی فرد یا من حیث القوم پوری ملت یا معاشرے کو مادی یا اخلاقی نقصان پہنچ سکتا ہو وہ حرام و ناجائز کے زمرے میں آتے ہیں۔

مذکورہ بالا یا اس نوعیت کے جتنے بھی دوسرے ذرائع اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں وہ حرام ہیں لہٰذا ان کو ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔

فصل چہارم

اسلامی مالیاتی نظام کے فوائد وثمرات:

اسلام کی تعلیمات قرآن پاک کی صورت میں آج بھی زندہ و جاوید ہیں۔قرآن پاک میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق رشد وہدایت موجود ہے۔ جہاں عبادات، معاملات، سیاسیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق مسائل کی وضاحت ہے وہاں معاشی اصولوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اسلام کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی بھی انسان اگر اپنے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے تو اسے ایک عادلانہ اور منظم حل مل جائے گا۔چونکہ یہاں صرف اسلام کا مالیاتی نظام زیر بحث ہے اس لیے اسی کے متعلق چند اصولوں کی وضاحت کی جائے گی پھر چند ایسے اسلامی ذرائع کا تذکرہ کیا جائے گا جو خاصۂ اسلام ہیں جن کی روشنی میں معاشی بحران کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

1۔ سب کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے:

معاشیات کے حوالے سے قرآن پاک کے بیان کردہ اصولوں میں سے یہ بنیادی اصول ہے کہ:

حقیقت میں رزق ومعاش صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے چنانچہ قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴿هود:٦﴾

زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

دوسرے مقام پر اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرٰزِقِيْنَ O ﴿الحجر:۲۰﴾

تمہارے لئے اس میں روزیاں کردیں اور وہ کردیئے جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔

2۔ اسبابِ معیشت پر انسانی تصرف:

اللہ تعالیٰ سب کا رازق حقیقی ہے لیکن اس نے اپنے فضل وکرم کے ساتھ انسان کو زمین میں تمکن وتصرف عطا فرمایا ہے نیز اس کیلئے کئی قسم کے اسباب معیشت کو پیدا فرمایا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ﴿الاعراف: ۱۰﴾

اور بے شک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ (ٹھکانا) دیا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے اسباب بنائے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ

﴿الجاثية: ۱۳﴾

اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے۔

مذکورہ آیات مقدسہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسبابِ معیشت پر قدرت عطا فرمائی اب یہ انسان کا کام ہے کہ اس قدرت وصلاحیت کو بروئے کار لاکر ان اسباب کو اپنے استعمال میں لائے۔

3۔ مال ودولت جمع کرنے کی ممانعت:

اسلام کے اصولِ معاشیات میں سے ایک اصول یہ ہے کہ اسلام ملکی دولت کو چند

مخصوص ہاتھوں میں جمع رہنے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی اطلاع دی گئی جو مال و دولت پر قابض ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿التوبة: ۳۴﴾

اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔

4۔ احتکار کی ممانعت میں حکمت:

پچھلے صفحات میں احادیث کی روشنی میں احتکار کی ممانعت مذکور ہوئی ہے اس میں بھی یہ ہی حکمت ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو بلکہ اس میں گردش جاری رہے تاکہ معاشرے میں بسنے والے دوسرے لوگ بھی استفادہ کریں۔

5۔ انفرادی معیشت:

اسلام انفرادی معیشت پر زور دیتے ہوئے ہر تندرست و توانا شخص کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نہ صرف اپنے رزق و معاش کیلئے محنت کرے بلکہ معاشرے کے ضعیف اور معذور لوگوں کی معاونت بھی کرے اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اليد العليا خير من اليد السفلى ﴿صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۹۲﴾

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے

یہاں اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا اور نیچے والے سے مراد لینے والا ہاتھ ہے۔

اسلام میں حصولِ مال کے ذرائع

اسلام ایسے معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔جس میں ہر فرد ایثار و اخوت کے جذبے سے سرشار ہو ایسا تب ہی ممکن ہے جب لوگوں کے پاس کھانے پینے، رہن سہن اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کیلئے اس قدر اسباب موجود ہوں جو انہیں اور ان کے اہل خانہ کو کافی ہوں تا کہ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے میں بسر ہو۔اس لئے اسلام کے بنیادی اصول معیشت کو بیان کرنے کے بعد اب حصولِ مال کے ذرائع کا تذکرہ کیا جائے گا تا کہ معلوم ہو سکے کہ اسلامی نظام معیشت کے فوائد و ثمرات کا معاشرے پر کتنا گہرا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ بحران کی پستی سے نکل کر ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

پہلا ذریعہ: محنت و عمل

اسلام ہر فرد سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جب کارخانہ قدرت اس کے لئے مصروف عمل ہے تو اسے بھی چاہیے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ہرگز نہ بیٹھے بلکہ محنت کرے اور ادھر ادھر چل پھر کر اپنی روزی خود تلاش کرے۔باری تعالٰی کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ○ ﴿الملك: ١٥﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین رام (تابع) کردی تو اسکے راستوں میں چلو اور اللہ تعالٰی کی روزی میں سے کھاؤ۔

اس کے علاوہ اسلامی معاشرہ کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر شخص کو مکمل آزادی ہے کہ وہ جس پیشے کو چاہے اختیار کرے خواہ ادنیٰ پیشہ ہی کیوں نہ ہو لیکن اسے کسی

ایسے کام پر مجبور نہیں کیا جاسکتا جو خلافِ فطرت یا معاشرے کیلئے نقصان دہ ہو چنانچہ کارکردگی اور محنت کے معیار کو بلند کرنے اور مالک و مزدور کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کیلئے اسلام نے جو اخلاقی اصول وضوابط متعین فرمائے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ایک محنت کش اور مزدور بھی ہر قسم کے جھگڑے اور پریشانی سے محفوظ رہتے ہوئے محض مزدوری کے بل بوتے پر اپنے اہلِ خانہ اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق پورے کرسکتا ہے۔

دوسرا ذریعہ: دولت مند افراد کا غریبوں کے لیے سہارا بننا

معاشرے میں کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو کسی جسمانی عذر کی بنا پر کمانے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں لہٰذا انھیں اپنی روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے دوسروں کی حاجت ہوتی ہے اس لیے اسلام نے صلہ رحمی پر زور دیا تاکہ غریبوں کو فقر وناداری سے نجات مل سکے۔ارشاد ربانی ہے:

وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ ﴿النساء :١﴾

اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ تعالیٰ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے

دوسرے مقام پر فرمایا:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتَاهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ؕ ﴿الطلاق:٧﴾

مقدور والا اپنے مقدور کے قابل نفقہ دے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا

وہ اس میں نفقہ دے جو اللہ نے اسے دیا اللہ تعالیٰ کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتا
مگر اسی قابل جتنا اسے دیا ہے

مذکورہ بالا آیات مقدسہ میں قرآن حکیم نے صلہ رحمی کا حکم دے کر غریبوں کی کفالت کا حل تجویز فرمایا ہے۔ عام انسانوں کے مقابلے میں رشتہ داروں کے حقوق کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل ہے کیونکہ ان کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے جو حسن سلوک کا متقاضی ہے۔

تیسرا ذریعہ: زکوٰۃ

اسلام نے افراد معاشرہ کو اپنی جملہ ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت و مشقت کا درس دیا ہے اور جو لوگ اس سے عاجز ہوں ان کی کفالت کی ذمہ داری خوشحال رشتہ داروں پر عائد کی ہے لیکن اس کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ ہر غریب کو دولت مند عزیز میسر نہیں ہوتے لہٰذا ان کی دادرسی کیلئے اسلام نے اہلِ دولت سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ بنیادی حقوق کی بجا آوری اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے بعد بقایا مال میں سے ایک مخصوص مقدار اپنے بھائیوں پر زکوٰۃ کی شکل میں خرچ کریں تا کہ وہ بھی معاشرے میں اچھے اور باوقار طریقے سے زندگی بسر کر سکیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں اکثر مواقع پر نماز کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ "اقیمو الصلوٰۃ واتو الزکوٰۃ" کا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حکم ہوا ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے اس کو اسلام کے بنیادی ارکان میں شمار فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے

ذریعے میں جنت میں داخل ہو جاؤں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعبد اللّٰہ لا تشرک بہ شیئا و تقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ و تؤدی الزکوٰۃ

﴿صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱﴾

تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کسی کو اس کے ساتھ شریک مت ٹھہرا فرض نماز ادا کر اور زکوٰۃ ادا کر۔

چوتھا ذریعہ: صدقات و خیرات

اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دے کر مسلمانوں کے اندر خیر خواہی اور سخاوت کا جذبہ پیدا کیا ہے تاکہ معاشرے میں بسنے والے کمزور لوگ کسی مشکل سے دوچار نہ ہوں اور امیر لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے مال میں سے غریبوں کو بھی کچھ حصہ دیں تاکہ وہ بھی مالی طور پر مضبوط اور مستحکم ہوں۔ چنانچہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪

﴿البقرۃ:۲۶۷﴾

اے ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ﴿البقرۃ:۲۷۴﴾

وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان

کے لئے ان کا نیگ (انعام، حصہ) ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ غم

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴿آل عمران: ۹۲﴾

تم ہر گز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو

پانچواں ذریعہ: دیگر امدادی ذرائع

مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ اسلام میں کچھ ایسے امدادی ذرائع موجود ہیں جن کی وجہ سے معاشرے کو معاشی استحکام مل سکتا ہے اگر ان اصولوں پر عمل کیا جائے جو اسلام نے مقرر فرمائے ہیں تو غریب افراد بھی خوشحال زندگی بسر کر سکتے ہیں مثلاً اسلام نے پڑوسی کے حقوق پر بہت زیادہ زور دیا ہے نیز قربانی، قسم کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، رمضان کے روزے کا کفارہ اور بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کا فدیہ وغیرہ ایسے ذرائع ہیں جو انسانوں کی تنگدستی کے انسداد کے لیے کافی ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

استحصالی نظام معیشت کا خاتمہ:

اسلام جرائم کے ارتکاب کا باعث بننے والے اسباب کا خاتمہ کرتا ہے سب سے بڑا سبب باطل طریقوں سے حصولِ دولت اور غیر منصفانہ تقسیم ہے اسلام نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴿النساء: ۲۹﴾

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی

سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔

اسی طرح جب مال و دولت کے تمام وسائل چند ہاتھوں میں آ جائیں تو عوام الناس پر ضروریات زندگی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرے میں چوری، غصب اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں عام ہو جاتی ہیں اس لیے اسلام نے استحصال اور ظلم سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ﴿التوبة: ٣٤﴾

اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔

تحفظ جان و مال کیلئے سزاؤں کا قیام ونفاذ:

جرائم کے تمام اسباب کے سدباب کے باوجود اگر کوئی جرم کا ارتکاب کرے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اسلام نے سزائیں مقرر کی ہیں تا کہ افراد معاشرہ کی جان و مال محفوظ رہ سکیں کچھ وہ سزائیں ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے انہیں حدود کہا جاتا ہے اس کے علاوہ کچھ وہ سزائیں ہیں جن کو شریعت نے حاکم وقت کے سپرد کیا ہے تا کہ وہ حالات کے مطابق مجرموں کو سزا دے ان کو فقہ کی اصطلاح میں تعزیر کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے اسلام کی نگاہ میں زمین و آسمان کی ہر شی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اس نے انسان کیلئے حدود متعین فرما کر کچھ اشیاء سے نفع اٹھانے کا اختیار دیا ہے جن کو استعمال کر کے انسان اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں سارے انسان برابر ہیں اس لیے اگر کوئی غریب ہے تو اسے اپنی غربت پر پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اگر کوئی امیر ہے تو اس کو اپنی امیری پر فخر وغرور نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے معاشرے میں بسنے والے غریب بھائیوں کی مدد کر کے ان کا دست و بازو بننا چاہیے۔

ہر انسان کو چاہیے کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھے اور انہیں پورا کرنے کی ہر ممکن سعی کرے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ زنی نہ کرے بلکہ ان کے مال و جان کی حفاظت کرے ان میں ناحق تصرف نہ کرے اگر کوئی شخص ایسی بری خصلتوں میں ملوث ہو تو اس کو بڑی سے بڑی سزا دی جائے تا کہ معاشرہ ہر لحاظ سے پر امن ہو۔

باب دوم

مضاربہ ومشارکہ

مضاربہ اور مشارکہ کی تعریف

مضاربہ کی تعریف

ھی عقد علی الشرکۃ فی الربح بمال من احد الشریکین و عمل من الاخر ﴿التسھیل الضروری صفحہ ۲۲۹﴾

مضاربہ نفع میں شراکت کے ایسے عقد کو کہتے ہیں کہ دونوں شریکوں میں سے ایک کا مال ہو اور دوسرے کا عمل (کام) ہو۔

وجہ تسمیہ

مضاربت کا لفظ ''ضرب فی الارض'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی زمین میں پھرنا اور گشت کرنے کے ہیں اس معاہدے کو مضاربت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کاروبار کرنے والا نفع حاصل کرنے کی غرض سے مختلف زمین پر سفر کرتا ہے اور محنت و کوشش کرتا ہے۔

﴿التسھیل الضروری صفحہ ۲۳۴﴾

مشارکہ شرکت کی تعریف

ھی اختلاط المالین بحیث لا یتمیز احدھا عن الآخر

﴿التسھیل الضروری صفحہ ۲۲۴﴾

دو مالوں کا آپس میں اس طرح مخلوط ہونا کہ ایک کو دوسرے سے ممتاز نہ کیا جا سکے۔

مضاربہ اور مشارکہ کا تفصیلی جائزہ

مضاربت کی ضرورت:

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ مضاربت کے متعلق فرماتے ہیں:

''اس عقد کی لوگوں کو حاجت ہے کیونکہ انسان مختلف قسم کے ہیں۔ بعض مالدار ہیں اور بعض تہی دست۔ بعض مال والوں کو کام کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا تجارت کے اصول وفروع سے ناواقف ہوتے ہیں اور بعض غریب کام کرنا جانتے ہیں مگر ان کے پاس روپیہ نہیں لہٰذا تجارت کیونکر کریں، اس عقد کی مشروعیت میں یہ مصلحت ہے کہ امیر وغریب دونوں کو فائدہ پہنچے مال والے کو روپیہ دے کر اور غریب آدمی کو اس کے روپیہ سے کام کر کے''۔

﴿بہارِ شریعت جلد ۲ صفحہ ۲۵۷﴾

مضاربت کی مشروعیت:

مضاربت کا جواز سورۃ جمعہ کی درج ذیل آیت کریمہ سے ثابت کیا جاسکتا ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ﴿الجمعة :۱۰﴾

پھر جب نماز پڑھ لی جائے، تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔

علماء کرام نے فرمایا کہ چونکہ مضارب بھی مضاربت کا مال لے کر زمین پر سفر کرتا ہے اور اللہ کے فضل کو تلاش کرتا ہے لہٰذا یہ معاملہ جائز ہے لہٰذا اس آیت کریمہ کے لفظ ''فضل'' سے مضاربت کے جائز ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اصطلاحات مضاربت:

1۔ رب المال 2۔ مضارب 3۔ راس المال / سرمایہ

مال دینے والے کو رب المال اور کام کرنے والے کو مضارب اور مالک نے جو دیا اسے راس المال کہتے ہیں۔ ﴿بہارِ شریعت جلد ۲ صفحہ ۳۵۷﴾

رب المال کے احکام:

1۔ مضارب میں رب المال چونکہ سرمایہ فراہم کرنے والا ہوتا ہے لہٰذا تکمیل معاہدہ کے بعد ضروری ہے کہ وہ سرمایہ مضارب کے حوالے کر دے۔

2۔ سرمایہ کی سپردگی کے بعد رب المال کا سرمایہ پر کوئی عمل دخل نہ ہوگا البتہ رب المال اطمینان قلبی کیلئے نگرانی کر سکتا ہے۔

3۔ رب المال مضارب کی اجازت کے بغیر کام میں حصہ نہیں لے سکتا۔

مضارب کے متعلق احکام:

1۔ جب رب المال سرمایہ مضارب کے حوالے کرتا ہے تو مضارب کی حیثیت ایک امین جیسی ہوتی ہے یعنی اس کے پاس سرمایہ امانت کے طور پر ہوتا ہے امین کی حیثیت سے مضارب کی ذمہ داری ہے کہ وہ سرمایہ کی ہر ممکن حفاظت کرے البتہ اگر سرمایہ اس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے سرمایہ کی حفاظت میں کوتاہی کی اور سرمایہ ضائع ہو گیا تو اس کی غلطی ثابت ہو جانے پر اسے ضامن یعنی نقصان کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

2۔ جب مضارب سرمایہ کو تجارت میں لگا دیتا ہے تو اب اس کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے، لہٰذا بحیثیت وکیل اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مؤکل کی بیان کردہ ہدایت کے مطابق سرمایہ کاری کرے اور کسی بھی مرحلہ میں رب المال سے کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرے۔

3۔ سرمایہ کاری کی وجہ سے اگر کاروبار میں منافع حاصل ہوا ہو تو پھر مضارب منافع میں شریک ہوگا اور پہلے سے طے شدہ تناسب سے اپنا حصہ لینے کا حق دار ہوگا۔

4۔ اگر مضارب نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کاروبار کیا جس کی وجہ سے نقصان ہو گیا تو وہ غاصب کہلائے گا اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

5۔ کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہوگئی تو مضاربت اجارہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے مضارب کی حیثیت ایک اجیر کی مانند ہوگی اب مضارب کو جو نفع مقرر ہوا ہے وہ نہیں ملے گا بلکہ اجرت مثل ملے گی چاہے نفع اس کام میں ہو یا نہ ہو مگر یہ ضرور ہے کہ یہ اجرت مضاربت کے نفع سے زائد نہ ہو۔

سرمایہ کے متعلق احکام:

1۔ راس المال معلوم ہو یعنی اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو لہٰذا اندازے سے متعین کیے گئے راس المال میں مضاربت درست نہیں۔

2۔ مضاربت کی درستگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ راس المال مکمل طور پر مضارب کے سپرد کر دیا گیا ہو اور رب المال کا اس میں کسی طرح کا کوئی تصرف نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راس المال مضارب کے پاس امانت کے طور پر ہوتا ہے تو جس طرح مال امانت کو امین کے حوالے کرنا ضروری ہے ایسے ہی راس المال کو مضارب کے سپرد کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مضاربت میں راس المال رب المال کی جانب سے ہوتا ہے اور مضارب اس سرمایہ سے کاروبار کرتا ہے لہٰذا سرمایہ پر اس کا مکمل قبضہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید پر اسے مکمل آزادی کے ساتھ استعمال کرے اور زیادہ سے زیادہ منافع کمائے۔

3۔ راس المال کرنسی کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور ایسے عروض (سامان) کی صورت میں بھی جو ثمن کے قبیل ہو۔

4۔ راس المال اگر عروض (سامان) کی صورت میں ہو تو ضروری ہے کہ ابتداء ہی میں

اس کی بازاری قیمت کا تعین کرلیا جائے تاکہ بعد میں فریقین کے درمیان کوئی تنازع نہ ہو۔

نفع ونقصان کے احکام:

1۔ مضاربت میں یہ ضروری ہے کہ باہمی رضامندی کے ساتھ منافع میں حصے کی شرح فیصد یا تناسب شروع ہی میں طے کرلی جائے۔

2۔ منافع اس طریقے سے طے کرنا ناجائز ہے کہ مضارب یا رب المال منافع میں سے مثلاً 4000 روپے لے گا اور باقی دوسرا۔ اسی طرح سرمایہ متعین تناسب کے ساتھ اس طرح مقرر کرنا کہ سرمایہ کا 40 فیصد منافع رب المال کا اور باقی مضارب کا تو یہ بھی درست نہیں ہے۔

3۔ نقصان کی صورت میں سارا نقصان رب المال برداشت کرے گا اور مضارب صرف اپنی محنت کے ضائع ہونے کا نقصان برداشت کرے گا یعنی اسے اس کی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔

4۔ لیکن اگر نقصان مضارب کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہو تو پھر نقصان مضارب ہی برداشت کرے گا۔

عقد مضاربت کا اختتام:

اگر مضاربت کیلئے وقت متعین ہو تو وقت کے گزرتے ہی مضاربت ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ معاملہ وکالت کی طرح ہے لہٰذا وکالت کی طرح مضاربت بھی وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اگر سرمایہ کار نے مضارب کو کسی وجہ سے معزول کر دیا تو جیسے ہی مضارب کے علم میں آئے گا مضاربت ختم ہو جائے گی۔

﴿سرمایہ کاری کے شرعی احکام صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۵﴾

مضاربت کی اقسام:

1۔ مضاربت مطلقہ:

ایسی مضاربت جس میں زمان ومکان کی کوئی قید نہ ہو اور نہ ہی رب المال کی طرف سے مضارب کو کسی خاص قسم کی تجارت کیلئے پابند کیا گیا ہو بلکہ رب المال نے مطلق سرمایہ فراہم کیا ہو کہ اس سے جو چاہو تجارت کرو اور نفع میں دونوں کی مقررہ تناسب سے شرکت ہو مضاربت مطلقہ کہلاتی ہے۔

مضارب مطلق کا دائرہ کار:

مضاربت مطلقہ میں مضارب کو ہر قسم کے حلال کاروبار کا اختیار ہوتا ہے اور مضارب ہر اس طریقے کو اپنا سکتا ہے جسے عرف عام میں تاجر حضرات سرانجام دیتے ہیں لیکن اگر کسی اور کو یہ سرمایہ مضاربت پر دینا چاہتا ہے اور اس سے شراکت کرنے کا متمنی ہے تو رب المال سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہے، اسی طرح مضاربت کے مال میں اپنا مال ملانے کے لیے بھی رب المال کی اجازت ضروری ہے۔ مضاربت مطلقہ میں مضارب اپنی مرضی سے مضاربت کیلئے سفر بھی کرسکتا ہے لیکن سفر اس وقت کرسکتا ہے جب بظاہر کوئی خطرہ نہ ہو اور اگر راستہ خطرناک ہے تو مضاربت کا مال اس راستہ سے نہیں لے جاسکتا وگرنہ مضارب ضامن ہوگا۔

2۔ مضاربت مقیدہ:

اگر رب المال کی طرف سے مضارب کو کسی مخصوص جگہ میں کاروبار کرنے کا پابند کر دیا گیا ہو تو یہ مضاربت مقیدہ کہلاتی ہے مثلاً یہ کہہ دیا ہو کہ صرف لاہور میں کاروبار کیا جائے اور سرمایہ کاری صرف ٹیکسٹائل مل میں کی جائے تو اب مضارب پر یہ لازم ہے کہ وہ رب

المال کی بتائی ہوئی جگہ کاروبار کرے اور سرمایہ لگائے وگرنہ نقصان کی صورت میں مضارب ضامن ہوگا۔ ﴿سرمایہ کاری کے شرعی احکام صفحہ ۲۶۱-۲۶۲﴾

مضاربت کی شرائط

مضاربت کی چند شرائط ہیں:

1۔ راس المال از قبیل ثمن ہو۔ عروض کی قسم سے ہو تو مضاربت صحیح نہیں۔
2۔ راس المال معلوم ہو اگرچہ اس طرح معلوم کیا گیا ہو کہ اس کی طرف اشارہ کردیا۔
3۔ راس المال عین ہو یعنی معین ہو دین نہ ہو۔
4۔ راس المال مضارب کو دے دیا جائے یعنی اس کا پورے طور پر قبضہ ہو جائے رب المال کا بالکل قبضہ نہ رہے۔
5۔ نفع دونوں کے مابین شائع ہو مثلاً نصف نصف یا دو تہائی یا ایک تہائی یا تین چوتھائی یا ایک چوتھائی۔ نفع میں اس طرح حصہ معین نہ کیا جائے جس میں شرکت قطع ہونے کا احتمال ہو۔
6۔ ہر ایک کا حصہ معلوم ہو لہٰذا ایسی شرط جس کی وجہ سے نفع میں جہالت پیدا ہو مضاربت کو فاسد کردیتی ہے۔
7۔ مضارب کے لیے نفع دینا شرط ہو۔ اگر راس المال سے کچھ دینا شرط کیا گیا یا راس المال اور نفع دونوں سے دینا شرط کیا گیا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

﴿بہارِ شریعت جلد ۲ صفحہ ۳۵۷﴾

مشارکت / شرکت کا بیان:

شراکت اس کاروباری شکل کو کہتے ہیں جس میں دو یا اس سے زائد کئی افراد مل کر کوئی

کاروبار شروع کرتے ہیں اور اس سے حاصل شدہ نفع کو طے شدہ تناسب سے آپس میں تقسیم کرتے ہیں، بصورت نقصان ہر فرد اپنے اپنے سرمایہ کے تناسب سے نقصان برداشت کرتا ہے۔ اسلام نے شراکت کو سود کے متبادل پیش کیا ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان اللّٰہ یقول انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھم ﴿سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۴﴾

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا شریک ہوں جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے، جب کوئی خیانت کرتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

اقسام شرکت:

شرکت کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ شرکت ملک 2۔ شرکت عقد

شرکت ملک کی تعریف یہ ہے کہ چند شخص ایک شے کے مالک ہوں اور باہم عقدِ شرکت نہ ہوا ہو۔

شرکت عقد یہ ہے کہ چند شخص ایک شئ کے مالک ہوں اور باہم شرکت کا عقد کیا ہو۔

شرکت ملک کی پھر دو قسمیں ہیں:

1۔ جبری:

جبری یہ ہے کہ دونوں کے مال میں بلا قصد و اختیار ایسا خلط ہو جائے کہ ہر ایک کی چیز دوسرے سے ممتاز نہ ہو سکے یا ہو سکے مگر نہایت دقت و دشواری سے مثلاً وراثت میں دونوں کو ترکہ ملا کہ ہر ایک کا حصہ دوسرے سے ممتاز نہیں یا دونوں کی چیز ایک قسم کی تھی اور مل گئی کہ امتیاز

نہ رہایا ایک کی گندم تھی دوسرے کی جو مل گئی تو اگر چہ علیحدگی ممکن ہے مگر دشواری ضرور ہے۔

2۔ اختیاری

اختیاری یہ ہے کہ ان کے فعل واختیار سے شرکت ہوئی ہو مثلاً دونوں نے شرکت کے طور پر کسی چیز کو خریدا یا ان کو ہبہ اور صدقہ میں ملی اور قبول کیا یا کسی نے دونوں کو وصیت کی اور انہوں نے قبول کی یا ایک نے قصداً اپنی چیز دوسرے کی چیز سے ملا دی کہ امتیاز جاتا رہا۔

شرکت عقد کی شرائط:

1۔ شرکت عقد میں یہ شرط ہے کہ جس پر شرکت ہوئی قابل وکالت ہو لہٰذا مباح اشیاء میں شرکت نہیں ہو سکتی مثلاً دونوں نے شرکت کے ساتھ جنگل کی لکڑیاں کاٹیں کہ جتنی جمع ہوں گی دونوں میں مشترک ہوں گی یہ شرکت صحیح نہیں ہر ایک اسی کا مالک ہوگا جو اس نے کاٹی ہیں۔

2۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی شرط نہ کی ہو جس سے شرکت ہی جاتی رہے مثلاً یہ کہ نفع دس روپیہ میں لوں گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کل دس روپے ہی نفع کے ہوں تو اب شرکت کس چیز میں ہوگی۔

3۔ نفع میں کم وبیش کے ساتھ بھی شرکت ہو سکتی ہے مثلاً ایک کی ایک تہائی اور دوسرے کی دو تہائیاں اور نقصان جو کچھ ہوگا وہ راس المال کے حساب سے ہوگا اس کے خلاف شرط کرنا باطل ہے۔

شرکت عقد کی اقسام

1۔ شرکت بالمال:

شرکت بالمال سے مراد وہ شرکت ہے جس میں شرکاءِ کاروبار نفع ونقصان کی بنیاد پر

اپنا اپنا سرمایہ لگاتے ہیں۔

2۔ شرکت بالعمل:

ایسی شراکت جس میں شرکاء مشترکہ طور پر اپنی خدمات ضرورت مندوں کو مہیا کرتے ہیں اور خدمات کے عوض ملنے والی رقم آپس میں طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔

شرکت بالعمل کے چند اہم مسائل:

1۔ شرکت اعمال کسی کے کام کرنے کی قبولیت میں شرکت کو کہتے ہیں جس میں شرکت قائم کرنے والے دو یا دو سے زائد اجیر (خدمت فراہم کرنے والے) اس عہد و التزام کے ساتھ شرکت قائم کرتے ہیں کہ لوگوں کی طرف سے جو کام کرنے کو ملے گا وہ مل کر اسے کریں گے۔ البتہ کام کرنے کی مقدار میں برابری بھی ہو سکتی ہے اور کمی بیشی بھی یعنی طے کیا جا سکتا ہے کہ تمام شریک برابر کام کریں گے یا ایک شریک ایک تہائی اور دوسرا دو تہائی یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہارت و تجربے کا اعتبار کرتے ہوئے یہ طے کر لیا جائے کہ فلاں کام ایک شریک سرانجام دے گا اور دوسرا شریک کوئی اور کام۔

2۔ منافع کی تقسیم شرکاء میں باہمی رضامندی کے ساتھ پہلے سے طے شدہ فیصد یا تناسب کے مطابق ہوگی۔ یعنی اگر برابر برابر تقسیم کا معاہدہ ہوا ہو تو منافع برابر برابر ہی تقسیم ہوگا اور کم و بیش کی صورت میں اس کے مطابق، منافع کی تقسیم میں یہ بھی ہو سکتا کہ شرکاء میں سے ہر ایک کام تو برابر کرے لیکن منافع کم و بیش ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کاریگر زیادہ ماہر ہو اور دوسرا کم۔

3۔ ہر ایک شریک کو کام کے قبول کرنے اور دوسروں سے معاہدہ کرنے کا اختیار ہوگا اور یہ بھی جائز ہوگا کہ کام ایک قبول کرے اور دوسرا اس کام کو انجام دے کام کے قبول

کرنے میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اگرایک شریک نے کام قبول کرلیا تو دوسرے پر بھی اس کی تکمیل لازمی ہوگی۔

4۔ جس شریک نے کام قبول کیا ہے اسے ہی کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا چاہے خود کرے یا اپنے شریک سے یا کسی سے یہ کام کرائے ہاں اگر گاہک نے خود اسی کے کام کرنے کی شرط عائد کردی ہو تو پھر اسی پر کام کرنا لازم ہوگا۔

5۔ چونکہ شرکاء کے درمیان کام کی ذمہ داری لینے کا معاہدہ ہوتا ہے لہٰذا دونوں شریک اس بناء پر اجرت کے مستحق ہوں گے اس اصول کی بنیاد پر اگر ایک شریک نے کام کیا لیکن دوسرا شریک کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے کام نہ کرسکا تو پھر بھی منافع اور اجرت کی تقسیم طے شدہ تناسب سے ہی ہوگی یعنی یہ نہیں ہوگا کہ کام نہ کرنے والا شریک حصہ سے محروم ہو جائے۔

6۔ اگر کسی شریک کی وجہ سے گاہک کے مال میں کوئی عیب پیدا ہو گیا یا مال ضائع ہو گیا تو ذمہ داری دونوں شریکوں پر ہوگی اور گاہک کو اختیار حاصل ہوگا کہ جس شریک سے چاہے اپنا نقصان وصول کرلے اور شرکاء منافع میں اپنے اپنے حصے کے تناسب سے نقصان برداشت کریں گے یعنی اگر منافع نصف نصف طے پایا تھا تو نقصان بھی نصف نصف ہی دونوں پر عائد ہوگا۔

شرکت اعمال کی چند صورتیں:

1۔ اگر دو افراد شرکت اعمال اس طریقے سے کریں کہ دوکان ایک کی ہو اور آلات و اوزار دوسرے کے تو یہ بھی صحیح ہے۔

2۔ اسی طرح دو افراد نے مل کر ایسی شرکت صنائع قائم کی کہ دوکان ایک کی اور کام دوسرا کرے تو یہ بھی صحیح ہے۔

3۔ اگر دو افراد نے شرکت اعمال قائم کی ایک کے پاس ایک ٹرک اور ایک کے پاس سوزوکی ہے اور دونوں مشترکہ مال کے نقل و حمل کا ٹھیکہ لیں گے اور اجرت آدھی آدھی تقسیم ہوگی تو یہ بھی درست ہے۔

3۔ شرکت وجوہ:

اشیاء تجارت دوکانداروں سے ادھار خرید کر نقد قیمت پر فروخت کردیتے ہیں اور حاصل شدہ منافع آپس میں طے شدہ تناسب سے تقسیم کرتے ہیں۔ مارکیٹ میں عام طور پر اس قسم کے کاروبار کا بہت زیادہ رواج ہے کیونکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس آرڈر ہوتا ہے لیکن پیسے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کاروبار نہیں کر پاتے لہٰذا شریعت نے ان کے فائدے کے لیے اس طرح کے کاروبار کی اجازت دی تاکہ وہ بھی معاشی معاملات میں حصہ ڈال سکیں اس طرح کے معاملے میں عام طور پر منافع کی شرح کم ہوتی ہے۔

شرکت وجوہ کے متعلق چند اہم مسائل:

1۔ شرکت وجوہ میں خریدے ہوئے مال میں تمام شرکاء کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کا حصہ ایک تہائی اور کسی کا دو تہائی یا اس کے علاوہ کسی اور تناسب سے ہوسکتا ہے۔

2۔ قیمت کی ادائیگی: خریدے ہوئے مال کی قیمت کی ادائیگی ہر شریک پر اس طرح ہوگی کہ جس نے جتنا مال خریدا وہی اس کی قیمت کی ادائیگی کرے گا۔

3۔ شرکت وجوہ میں نفع کی تقسیم کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہر شریک اپنے خریدے ہوئے مال کے تناسب سے منافع میں حصہ دار ہوگا لہٰذا اگر کسی کو زائد حصہ ملنے کی شرط لگائی گئی تو شرکت جائز ہے لیکن شرط لغو قرار دی جائے گی یعنی نافذ العمل نہیں ہوگی۔

شرکت عقد کی ایک اور تقسیم:

شرکت عقد کی مندرجہ بالا تینوں اقسام میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:

1۔ شرکت مفاوضہ 2۔ شرکت عنان

شرکت مفاوضہ:

یہ ہے کہ دو شخص باہم یہ کہیں کہ ہم نے شرکت مفاوضہ کی اور ہم کو اختیار ہے کہ اکٹھی خرید وفروخت کریں یا علیحدہ علیحدہ، نقد بیچیں یا ادھار اور ہر ایک اپنی رائے سے عمل کرے گا اور جو کچھ نفع یا نقصان ہوگا اس میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔

شرکت مفاوضہ کی صورتیں:

1۔ ایک یہ ہے بوقت عقد شرکت لفظ مفاوضہ بولا جائے مثلاً دونوں نے یہ کہا کہ ہم نے باہم شرکت مفاوضہ کی۔ اگرچہ بعد میں ان میں سے ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں لفظ مفاوضہ کے معنی نہیں جانتا تھا اس صورت میں بھی شرکت مفاوضہ ہو جائے گی تو اس کے احکام ثابت ہو جائیں گے اور معنی کا نہ جاننا عذر نہ ہوگا۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر لفظ مفاوضہ نہ بولیں تو تمام وہ باتیں جو مفاوضہ میں ضروری ہیں ذکر کردیں مثلاً دو ایسے شخص جو شرکت مفاوضہ کے اہل ہوں یہ کہیں کہ جس قدر نقد کے ہم مالک ہیں اس میں ہم دونوں باہم اس طرح پر شرکت کرتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کو پورا پورا اختیار دیتا ہے کہ جس طرح چاہے خرید وفروخت میں تصرف کرے اور ہم میں ہر ایک دوسرے کے تمام مطالبات میں ضامن ہے۔

شرکت مفاوضہ کے چند اہم مسائل:

1۔ شرکت مفاوضہ میں اگر دونوں کے مال ایک جنس اور ایک نوع کے ہوں تو عدد میں

برابری ضروری ہے۔

2۔ عقد مفاوضہ کے وقت دونوں مال برابر تھے مگر ابھی اس مال سے کوئی چیز خریدی نہیں گئی کہ ایک کا مال قیمت میں زیادہ ہوگیا مثلاً اشرفی عقد کے وقت پندرہ روپے کی تھی اور اب سولہ کی ہوگئی تو شرکت مفاوضہ جاتی رہی۔

3۔ ایسے دو شخص جن میں شرکت مفاوضہ ہے ان میں اگر ایک شخص کوئی چیز خریدے تو دوسرا اس میں شریک ہوگا البتہ اپنے گھر والوں کیلئے کھانا کپڑا خریدا یا کوئی اور چیز ضروریات خانہ داری کی خریدی تو یہ تنہا خریدار ہوگا۔

4۔ ایک نے اپنا کوئی سامان وغیرہ اس قسم کی چیز بیچ ڈالی جس میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی یا ایسی کوئی چیز کرایہ پر دی تو ثمن یا اجرت وصول ہونے پر شرکت مفاوضہ باطل ہوجائے گی۔

2۔ شرکت عنان:

شرکت عنان سے مراد یہ ہے کہ شرکاء کاروبار کسی خاص نوع کی تجارت یا کسی بھی قسم کی تجارت میں شرکت کرتے ہیں مگر ہر ایک دوسرے کا ضامن نہیں ہوتا صرف دونوں شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔

باب سوم

اسلام اور بینک

فصل اول

سود کی مذمت:

موجودہ دور میں ہر طرف لادینیت عام ہے۔ معاشرے کا ہر فرد اسلامی احکام سے نظریں چراتا ہوا نظر آتا ہے۔ حرام کاموں کے مرتکب افراد ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں ایسے حالات میں پورے معاشرے کو سود جیسی لعنت نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ سود کو عام کرنے میں موجودہ دور کے بینک بڑا اہم کردار ادا کر رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ سود کے حوالے سے بحث کی جائے تا کہ امت مسلمہ کی اصلاح ہو سکے۔

ربٰو کا لغوی معنیٰ:

لغت میں ربٰو کے معنیٰ زیادتی، بڑھوتری اور بلندی کے ہیں، علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ ربٰو کی دو قسمیں ہیں ایک ربٰو حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں ہے، ربٰو حرام ہر وہ قرض ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے یا اصل رقم پر کوئی منفعت لی جائے اور ربٰو غیر حرام یہ ہے کہ کسی کو ہدیہ دے کر اس سے زیادہ لیا جائے۔

﴿شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۳۴۶﴾

ربٰو کا اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح شرع میں ربٰو کی دو قسمیں ہیں۔ ربوٰ النسیئۃ (اس کو ربٰو القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے اور ربٰو الفضل (اس کو ربٰو الحدیث بھی کہتے ہیں) ربٰو الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو مثلاً چار کلو گندم کو آٹھ کلو گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔

ربٰو النسئیة:

یہ زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف تھا وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ یا ہر سال ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی ، مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کرسکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کردیتا یہ وہ ربٰو (سود) ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ ﴿شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۳۴۶﴾

سود کی تعریف:

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سود کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سود ہے مثلاً سو روپے قرض دیئے اور یہ ٹھہرالیا کہ پیسہ اوپر سو لے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے، لہٰذا یہ سود ہے اور حرام ہے ﴿سود ایک بدترین جرم﴾

سود کی حرمت اور قرآنِ کریم:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰو ؕ ﴿البقرة:۲۷۴﴾

اور اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود

اللہ تعالیٰ سودی مال میں سے برکت اٹھالیتا ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰو وَ يُرْبِى الصَّدَقٰتِ ﴿البقرہ:۲۷۴﴾

اللہ تعالیٰ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو

مطلب یہ ہے کہ سودی مال برکت سے محروم رہتا ہے اور صدقہ و خیرات کی وجہ سے

مال میں برکت ہوتی ہے اور انسان کو دنیا و آخرت میں اجر و ثواب ملتا ہے۔

سود کھانے کی ممانعت:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴿آل عمران:۱۲۹﴾

اے ایمان والو سود دونا دون (دو گنا چوگنا کر کے) نہ کھاؤ

اس آیت کی تفسیر کے تحت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

''اس آیت میں سود کی ممانعت فرمائی گئی مع توبیخ کے اس زیادتی پر جو اس زمانہ میں معمول تھی کہ جب میعاد آجاتی تھی اور قرض دار کے پاس ادا کی کوئی شکل نہ ہوتی تو قرض خواہ مال زیادہ کر کے مدت بڑھا دیتا۔ ﴿خزائن العرفان﴾

سود کھانے والوں سے اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ جنگ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

﴿البقرۃ:۲۷۸﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کا۔

سود پہلی امتوں کیلئے بھی حرام تھا:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَھُمْ وَبِصَدِّھِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَثِیْرًا ○ وَّاَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْهُ وَاَکْلِھِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ﴿النساء :۱۵۹-۱۶۰﴾

تو یہودیوں کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں کہ ان کے لیے حلال تھیں ان پر حرام فرمادیں اور اس لئے کہ انہوں نے بہتوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور اس لیے کہ وہ سود لیتے حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے اور لوگوں کا مال ناحق کھاجاتے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے جرائم کا ذکر فرمایا۔ ان جملہ جرائم میں یہ بھی ہے کہ وہ سود کھاتے تھے حالانکہ ان پر سود حرام تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی کہ ان پر بعض حلال چیزوں کو بھی حرام کردیا اس سے معلوم ہوا کہ سود پہلی امتوں کے افراد کے لیے بھی حرام تھا۔

سود کی مذمت احادیث کی روشنی میں:

جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے سود سے دور رہنے کا حکم دیا اور اسے حرام قرار دیا اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس وبا اور بیماری سے بچانے کے لیے واضح احکامات ارشاد فرمائے تاکہ امت مسلمہ سود جیسی لعنت اور برائی سے محفوظ رہ سکے۔

سودی لوگوں پر نبی کریم ﷺ کی لعنت:

عن ابن مسعود قال لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوٰا و موکلہ و شاھدیہ وکاتبہ ﴿جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۴۵﴾

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کا گواہ بننے والے اور سود لکھنے والے پر لعنت فرمائی۔

سود کھانا اپنی ماں سے زنا کرنے کے مترادف ہے:

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

الربا سبعون حُوبا ایسرھا ان ینکح الرجل امه

﴿سنن ابن ماجه صفحه ۱۶۴﴾

سود کے ستر (70) جز ہیں سب سے کم درجہ کا گناہ اس قدر ہے جیسے آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

سود خود کا عذاب:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اتیت لیلة اسری بی علی قوم بطونھم کالبیوت فیھا الحیات تری من خارج بطونھم فقلت من ھٰؤلآء یا جبرائیل قال ھٰؤلاء اکلة الربا

﴿سنن ابن ماجه صفحه ۱۶۴﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں ایسی قوم کے پاس گیا جن کے پیٹ ایسے گھروں کی طرح تھے جن میں سانپ تھے جو باہر سے دکھائی دے رہے تھے میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں اس نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔

سود کی وجہ سے مال کثیر نہیں ہوتا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما احد اکثر من الربا الاکان عاقبة امره الی قلة

﴿سنن ابن ماجه صفحه ۱۶۵﴾

جو کوئی سود سے مال بڑھاتا ہے آخر کار اسے مال کی تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ان احادیث سے سود کی حرمت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ سود ایک ایسی لعنت ہے جو معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ کر دیتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سودی معاملات میں شریک ہر شخص کو ملعون قرار دیا خواہ وہ سود کھانے والا ہو، کھلانے والا ہو، سود پر گواہ بننے والا ہو یا سود کو لکھنے والا ہو۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے گناہ کی شدت کو بیان کرتے ہوئے اسے ماں کے ساتھ زنا سے بھی بدتر قرار دیا اور اپنی امت کو بتایا کہ جو لوگ سود کھائیں گے ان کو جہنم کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہر انسان کو اس وبا سے بچنا چاہیے تا کہ وہ عذاب جہنم سے محفوظ رہ سکے۔ اگر کوئی شخص یہ تصور کرے کہ وہ سود لے کر مالدار بن جائے گا تو اس کے اس تصور کی بھی حدیث شریف میں نفی کی گئی ہے کہ سودی شخص مفلس وغریب تو ہو سکتا ہے لیکن سود کی رقم سے کبھی مالدار نہیں بن سکتا۔

سود کن صورتوں میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سونے کے بدلے میں سونا، چاندی کے بدلے میں چاندی، گندم کے بدلے میں گندم، جو کے بدلے میں جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے میں نمک برابر برابر اور نقد بہ نقد (فروخت کرو) جس نے زیادہ دیا یا لیا اس نے سودی کاروبار کیا اس میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں''۔

﴿صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵﴾

اس حدیث کے پیش نظر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے سودی اشیاء کی درج ذیل چار صورتیں بیان فرمائی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

اندازہ شرعی جو در بارہ ربٰو معتبر ہے دو قسم ہے کیل یعنی ناپ اور وزن (تول) حلت اور حرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں چار صورتوں میں بیان ہوتا ہے:

صورت اول:

جو دو چیزیں اندازے میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازے سے ان کی تقدیر کی جاتی ہے مثلاً دونوں وزنی یا کیلی ہوں اور دونوں ہیں بھی ایک جنس کی مثلاً گندم سے گندم یا لوہا سے لوہا تو ایسی دو چیزوں کی آپس میں بیع (خرید و فروخت) اسی وقت درست ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً مقرر ہے بالکل برابر ہیں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو اور اگر دو چیزیں ایک یا دونوں ادھار ہوں یا اپنے اندازۂ مقرر میں برابر نہ کی گئی ہوں اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا ہو یا اندازہ کیا گیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسری قسم کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور ربوٰ (سود) قرار پائے گی۔

صورت ثانیہ:

جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازہ معہودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن، تنزیب تنزیب، گھوڑا گھوڑا کیل یا وزن سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی۔ کپڑے گزوں سے بکتے ہیں اور گھوڑے شمار سے، یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا بکری کا گوشت زندہ بکری کے ساتھ۔ اگرچہ یہ چیزیں ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تُل کر بکتی ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف نہیں کہ یہ شمار کی چیزیں ہیں اور گن کر بکتی ہیں۔ تو ان صورتوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک یا دونوں کا دَین ہونا جائز نہیں۔

صورت ثالثہ:

جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہوں یا وزنی

مگر ہم جنس نہیں جیسے گندم جَو کے ساتھ یا لوہا تانبے کے ساتھ تو یہاں بھی وہی حکم ہوا کہ تفاضل روا اور نسیہ حرام۔

صورت رابعہ:

جو دو چیزیں نہ ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازے میں شریک اب خواہ دونوں اصلاً داخل اندازہ کیل و وزن نہ ہوں جیسے گھوڑا، کپڑا یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گندم یا دونوں داخل ہوں۔ مگر ایک قسم کے اندازے سے ان کی تقدیر نہ ہوتی ہو بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول، کھجوریں تو ایسی صورت میں تفاضل و نسیہ دونوں حلال ہیں۔

فائدہ:

چار چیزوں کو نبی کریم ﷺ نے کیلی فرمایا: گندم، جو، چھوہارے اور نمک۔ یہ چاروں ہمیشہ کے لیے کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انہیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گندم کے بدلے گندم برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہیے اور دو چیزوں کو حضور ﷺ نے وزنی فرمایا ہے۔ سونا اور چاندی یہ ہمیشہ وزنی رہیں گی۔ ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف و عادت پر ہے۔ جب چیز عرف میں تُل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج ہے۔ ﴿سود ایک بد ترین جرم صفحہ ٦، ٧﴾

نفع اور سود میں فرق:

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے اور سود کو ناجائز کیا ہے اور ان میں فرق بالکل واضح ہے ہم دوکاندر کے پاس پانچ روپیہ کی چیز چھ روپے میں بخوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ہر چند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دوکاندار کی محنت، ذہانت اور وقت خرچ ہوا ہے اور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں لیکن جب

ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپیہ سود لیتا ہے تو اس ایک روپیہ کے بدلے میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپیہ کا بدل قرار دیا جا سکے اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے اور روپیہ پر سود لینا ناجائز ہے۔ ﴿شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۳۹۸﴾

تجارت اور ربٰو (سود) میں فرق:

1۔ تجارت میں خریدار اور فروخت کار کے درمیان منافع کا مبادلہ برابری کی بناء پر ہوتا ہے کیونکہ خریدنے والا اس شے سے فائدہ اٹھاتا ہے جو اس نے فروخت کار سے خریدی ہے اور فروخت کار اپنی محنت کا معاوضہ لیتا ہے جبکہ سودی معاملہ میں سود لینے والا تو مال کی ایک مقرر کردہ مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لیے یقینی طور پر منافع بخش ہے لیکن اس کے برعکس سود لینے والے کے لیے منافع یقینی نہیں ہے کیونکہ اگر اس نے قرض ذاتی ضرورت کے لیے لیا ہے تو بھی نفع یقینی نہیں نقصان کا بھی اتنا ہی امکان موجود ہے جتنا نفع کا گویا ایک فریق کا فائدہ تو یقینی ہے دوسرے کا مشکوک۔

2۔ تجارت میں فروخت کار خریدار سے کتنا ہی منافع کیوں نہ لے لے بہر حال ایک ہی مرتبہ لیتا ہے لیکن سودی معاملہ میں رقم دینے والا مسلسل اپنے مال پر منافع وصول کرتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

3۔ تجارت میں شے اور اس کی قیمت کا مبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے جبکہ سودی معاملہ میں قرض لینے والا مال لے کر صرف کر لیتا ہے اور پھر یہ مال دوبارہ حاصل کر کے سود کے اضافہ کے ساتھ واپس کرتا ہے۔

﴿اسلامی معاشیات صفحہ ۲۹۴﴾

بینک کا سود اور مجوزین کے دلائل:

معیشت کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ربا اس خاص سود کو کہا

گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی، بیماری یا کفن دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کی بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ لوگ قرض نہیں لیتے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تاجر اور صنعت کار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ظلم نہیں کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود ادا کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے وہ ساٹھ ستر فیصد کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دوسرا تیسرا کارخانہ لگ جاتا ہے اس طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر وہ بینک کو چودہ فیصد دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر بینک عام لوگوں کو سات آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا ربا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی سکیم بینکوں کے ذریعے غریبوں کو سود دیتی ہے وہ ربا غرباء پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مال کی ترقی کا سبب ہے اس لیے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہیے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین دوسری وجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ افراطِ زر کی وجہ سے روپے کی قدر دن بدن گرتی جارہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جارہی ہے آج سے کئی سال قبل جو چیز پانچ روپے کی تھی آج اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس زمانے میں اگر کسی نے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اس تناسب سے اس میں بھی اضافہ ہونا چاہیے ورنہ تو وہ بہت کم قیمت کا رہ جائے گا لیکن اگر اس سو روپیہ پر سال بہ سال بینک کا سود لگتا رہے تو اس

کی ساکھ کسی حد تک بحال رہتی ہے اور جو لوگ بینک میں اپنی فاضل بچتوں کو جمع کرواتے ہیں ان کا نقصان نہیں ہوتا اس لیے بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوابات:

اس سلسلے میں پہلے یہ بات جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید نے مطلقا سود کو حرام کیا ہے خواہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو۔ خواہ اس سود سے غریبوں کا نقصان ہو یا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے امارت و غربت کا فرق کیے بغیر سود کو علی الاطلاق حرام فرمایا ہے جیسا کہ اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ ادھار پر مال فروخت کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے لہٰذا واضح ہو گیا کہ زمانہ جاہلیت میں بھی کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا عام رواج تھا اور اس کو الربوٰ کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ نجی قرضوں پر ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

رہا دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کو ناجائز قرار دینے کی بناء پر افراطِ زر کی وجہ سے روپیہ کی قدر گر جاتی ہے اور اگر بینک سے سود نہ لیا جائے تو کچھ عرصہ بعد بینک میں رکھوائے ہوئے سو روپے کی قیمت کافی کم ہو جائے گی تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منع کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو خوشی سے گوارا کرنا چاہیے کیونکہ مسلمان کے نزدیک نفع و نقصان کا معیار دنیاوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور معنوی اعتبار سے ہے۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تقصیر کی سزا

ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی طریقہ مضاربت کو رواج نہیں دیا کرنا یہ چاہیے کہ لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا روپیہ ''امانت'' رکھنے کی بجائے ان سے ایک عام شراکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی، صنعتی، زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروباروں میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آسکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کردے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔ ﴿شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۳۴۷۔۳۴۸﴾

افراطِ زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا ایک حل:

اس کا حل یہ ہے کہ جو لوگ بینک میں پیسے جمع کرواتے ہیں وہ پیسے جمع کروانے کی بجائے ان پیسوں سے سونا خرید کر وہ جمع کروائیں اب ظاہر ہے وقت کے ساتھ ساتھ سونے کی قیمت بڑھتی رہتی ہے لٰہذا جب وہ بوقت ضرورت سونا واپس لیں گے تو اس کی قیمت میں کمی کی بجائے اضافہ ہو چکا ہوگا۔ اس طرح انہیں منافع بھی حاصل ہو جائے گا اور وہ سود سے بھی بچ جائیں گے۔

سود سے بچنے کی صورتیں:

سود سے بچنے کی صورتوں کو بیان کرتے ہوئے صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''شریعت مطہرہ نے جس طرح سود لینا حرام فرمایا سود دینا بھی حرام کیا ہے۔ حدیثوں میں دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ دونوں برابر۔ آج کل سود کی اتنی کثرت ہے کہ قرض حسن جو بغیر سودی ہوتا ہے بہت کم پایا جاتا ہے۔ دولت والے کسی کو بغیر نفع روپیہ دینا نہیں چاہتے اور اہل حاجت اپنی حاجت کے سامنے اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ سودی روپیہ

لینے میں آخرت کا کتنا عظیم وبال ہے اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔لڑکی لڑکے کی شادی، ختنہ اور دیگر تقریبات شادی و غمی میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ برادری اور خاندان کے رسوم میں اتنے جکڑے ہوئے ہیں کہ ہر چند اس کے لیے ایک نہیں سنتے اور رسوم میں کمی کرنے کو اپنی ذلت سمجھتے ہیں۔ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو اولاتو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ ان رسوم کی جنجال سے نکلیں۔ چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں اور دنیا و آخرت کے تباہ کن نتائج سے ڈریں۔تھوڑی دیر کی مسرت یا ابنائے جنس میں نام آوری کا خیال کر کے آئندہ زندگی کو تلخ نہ کریں۔اگر یہ لوگ اپنی ہٹ سے باز نہ آئیں قرض کا بار گراں اپنے سر رکھنا ہی چاہتے ہیں بچنے کی سعی نہیں کرتے۔ جیسا کہ مشاہدہ اسی پر شاہد ہے تو اب ہماری دوسری فہمائش ان مسلمانوں کو یہ ہے کہ سودی قرض کے قریب نہ جائیں کہ بنص قطعی قرآنی اس میں برکت نہیں اور مشاہدات و تجربات بھی یہی ہیں کہ بڑی بڑی جائیدادیں سود میں تباہ ہو چکی ہیں۔ یہ سوال اس وقت پیش نظر ہے کہ جب سودی قرض نہ لیا جائے تو بغیر سودی قرض کون دے گا پھر ان دشواریوں کو کس طرح حل کیا جائے۔اس کے لیے ہمارے علماء کرام نے چند صورتیں ایسی تحریر فرمائی ہیں کہ ان طریقوں پر عمل کیا جائے تو سود کی نجاست و نحوست سے پناہ ملتی ہے اور قرض دینے والا جس ناجائز نفع کا خواہش مند تھا اسے جائز طریقہ پر نفع حاصل ہو سکتا ہے صرف لین دین کی صورت میں کچھ ترمیم کرنی پڑے گی۔ مگر ناجائز وحرام سے بچاؤ ہو جائے گا۔شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ دل میں جب یہ ہے کہ سود لے کر ایک سو دس لیے جائیں پھر سود سے کیونکر بچے۔ہم اس کے لیے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شرع مطہر نے جس عقد کو جائز بتایا وہ محض اس تخیل سے ناجائز وحرام نہیں ہو سکتا۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب وہ صورتیں بیان کرتے ہیں جو علماء نے سود سے بچنے کی بیان کی ہیں۔

1۔ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے تھے اس نے مدیون سے کوئی چیز ان دس روپوں میں خرید لی اور مبیع پر قبضہ بھی کر لیا پھر اسی چیز کو مدیون کے ہاتھ بارہ میں ثمن وصول کرنے کی ایک میعاد مقرر کر کے بیچ ڈالا اب اس پر دس کی جگہ بارہ ہو گئے اور اسے دو روپے کا نفع ہوا اور سود نہ ہوا۔

2۔ ایک نے دوسرے سے قرض طلب کیا وہ نہیں دیتا اپنی کوئی چیز مقرض (قرض دینے والا) کے ہاتھ سو روپے میں بیچ ڈالی اس نے سو روپے دے دیئے مستقرض (قرض لینے والا) نے وہی چیز مقرض (قرض دینے والا) سے سال بھر کے وعدہ پر ایک سو دس روپے میں خرید لی یہ بیع جائز ہے۔ مقرض نے سو روپے دیئے اور ایک سو دس روپے مستقرض کے ذمہ لازم ہو گئے اور اگر مستقرض کے پاس کوئی چیز نہ ہو جس کو اس طرح بیع کرے تو مقرض مستقرض کے ہاتھ اپنی کوئی چیز ایک سو دس روپے میں بیع کرے اور قبضہ دے دے پھر مستقرض اس کی چیز غیر کے ہاتھ سو روپے میں بیچے اور قبضہ دے دے پھر اس شخص اجنبی سے مقرض سو روپے میں خرید لے اور ثمن ادا کر دے اور وہ مستقرض کو سو روپے ثمن ادا کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقرض کی چیز اس کے پاس آ گئی اور مستقرض کو سو روپے مل گئے مگر مقرض کے اس کے ذمہ ایک سو دس روپے لازم رہے۔

3۔ مقرض (قرض دینے والا) نے اپنی کوئی چیز مستقرض (قرض لینے والا) کے ہاتھ تیرہ روپے میں چھ مہینے کے وعدے پر بیع کی اور قبضہ دے دیا پھر مستقرض نے اسی چیز کو اجنبی کے ہاتھ بیچا اور اس بیع کا اقالہ کر کے پھر اسی کو مقرض کے ہاتھ دس روپے میں بیچا اور روپے لے لئے اس کا بھی یہی نتیجہ ہوا کہ مقرض کی چیز واپس آ گئی اور مستقرض کو دس روپے مل گئے مگر مقرض کے اس کے ذمہ تیرہ روپے واجب ہوئے

﴿بہارِ شریعت جلد ۲ صفحہ ۱۵۹﴾

فصل دوم

بینک کی تعریف:

بینک ایسا ادارہ ہے جو زراعتبار کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ ادارہ عوام کی بچت کی گئی رقم کو اپنے پاس بطور امانت جمع رکھتا ہے اور پھر اس جمع شدہ رقم سے ضرورت مند لوگوں کو پیداواری اور غیر پیداواری کاموں کے لیے قرضے دیتا ہے یہ کم شرح سود پر امانتیں وصول کرتا ہے اور زیادہ شرح سود پر قرضے دے کر منافع کماتا ہے۔

﴿اصولِ بینکاری، صفحہ ۱۰﴾

بینک کا تاریخی پس منظر:

بینکاری، تہذیب انسانی کی ابتداء سے آج تک کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے آج سے تین ہزار سال قبل سمیریوں نے قرضے دینے کے نظام کو فروغ دیا۔ قرض دار اس قرض کو نقد یا جنس کی شکل میں واپس کرتا تھا۔ سمیری سونے اور چاندی کے ڈھیلوں کو کرنسی کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔ بارہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں پہلی بار وینس اور جنیوا میں بینک قائم ہوئے۔ چودھویں صدی عیسوی میں فورنس میں جدید بینک کی بنیاد رکھی گئی جہاں بینک لوگوں کی رقوم جمع کرتے اور ضرورت مندوں کو ادھار دیتے تھے۔

بینک کا کاروبار بظاہر عراق سے شروع ہوا اور پھر یونان اور روم منتقل ہوا لیکن روم کے زوال کے بعد یہ کاروبار روم سے ختم ہو گیا پھر دوبارہ اٹلی اور یورپ کے دوسرے ملک میں شروع ہوا اور پھر امریکہ، ایشیا اور دنیا کے دوسرے ممالک میں پھیل گیا۔

1۔ قدیم بابل (عراق) میں بینکاری:

دو ہزار سال قبل مسیح بابل میں بینکاری کا رواج ہوا۔ بابل کے بادشاہ ہمر بی نے

تحریری طور پر قرض دینے اور لینے کے قوانین وضع کیے۔ قرضے معاہدوں کی شکل میں دیئے جاتے تھے اور بابل کے لوگ معاہدوں کے لیے مٹی کی بنی ہوئی ٹکیاں استعمال کرتے تھے۔ ان قرضوں پر 33.3 فیصد سالانہ کے حساب سے سود وصول کیا جاتا تھا۔ دیئے جانے والے قرضے قابلِ انتقال ہوتے تھے اور اس وقت لوگ ہنڈیوں کے مفہوم سے بھی آگاہ تھے۔ اس وقت زر کے لین دین کے علاوہ اعتباری خطوط کا کاروبار بھی عراق کے شہروں میں ہوتا رہا۔ پانچویں صدی قبل مسیح کے دوران عراق سے بینک کا کاروبار ختم ہوگیا کیونکہ یہودیوں کو عراق سے جلاوطن کردیا گیا ان میں سے بیشتر یونان چلے گئے۔

2۔ قدیم یونان میں بینکاری:

چوتھی صدی قبل مسیح میں عراق سے جلاوطن ہونے والے یہودی سوداگر یونان منتقل ہوگئے اور زر کے لین دین کا کاروبار کرنے لگے اور بہت ترقی کی۔ زمانہ قدیم میں یونان میں بھی سود پر قرض جاری کرنے کا رواج تھا۔ یہ قرضے معاشرے کے اعلیٰ طبقہ کے افراد کو دیئے جاتے تھے۔ یونان میں مندر بینک کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ اس دور میں ایفیسس اور ڈیلفی کے مندر بڑے بینک سمجھے جاتے تھے۔ یہاں مشہور یونانی معلم سولارن نے سود پر رقم دینے اور لینے سے متعلق قوانین کو بہتر بنایا۔

3۔ روم میں بینکاری:

روم میں بینکاری کے نقوش چار اور تین سو سال ق۔م سے ملتے ہیں۔ چار سو سال قبل مسیح میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا گیا جو لوگوں کی امانتیں وصول کرتا تھا اور پھر اس کی ادائیگی بھی کرتا تھا۔

یہودی سوداگروں کے روم آنے سے تجارت کو فروغ ملنے کے ساتھ ساتھ بینک کے

کاروبار کو بھی فروغ حاصل ہوا۔لیکن روم میں بادشاہت کے زوال کے بعد یہودی سوداگر یورپ کے دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے۔

4۔ اٹلی میں بینکاری:

اٹلی میں بینکاری کا نظام بارہویں صدی کے نصف میں پھیلنے لگا۔اوائل میں اٹلی کے بینکوں کی وساطت سے مبادلہ خارجہ کا لین دین ہوتا تھا۔اٹلی میں پہلا باقاعدہ بینک وینس میں ''بینک آف وینس'' کے نام سے 1157ء میں قائم ہوا۔اس کے بعد 1587ء میں جنیوا میں ایک اور بینک ''بینکوڈی ریالٹو'' کے نام سے قائم ہوا۔

5۔ یورپ میں بینکاری:

یورپ میں رقوم جمع کرنے والے اور رقوم کا تبادلہ کرنے والے بینک جرمن پبلک بینک اور بینک آف برسلونا 1401ء میں، بینک آف جنیوا 1407ء میں بینک آف ایمسٹر ڈیم 1609ء میں اور 1690ء میں بینک آف ہیمبرگ قائم ہوئے۔انگلستان میں ولیم سوئم نے 1694ء میں جبکہ وہ فرانس سے برسرِ پیکار تھا بینک آف انگلینڈ کی بنیاد رکھی اور اس کو 1758ء میں نوٹ جاری کرنے کی اجارہ داری حاصل ہوئی۔

6۔ برصغیر میں بینکاری:

برصغیر پاک وہند میں 2000ق۔م کے دوران قرض کے لین دین کا ثبوت ملتا ہے جسے زیادہ تر ساہوکار یا مہاجن سرانجام دیتے تھے۔اس دوران اداروں کے ذریعے بینکاری کے کاروبار کا بھی ثبوت ملتا ہے۔محمد تغلق ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا جس نے ٹوکن کرنسی متعارف کروایا۔اس کے دور میں سونے، چاندی اور کاغذی زر کو شاہی منٹ سے جاری کیا گیا۔بعد میں مغل حکمرانوں اور شیر شاہ سوری نے اس نظام کو مزید بہتر بنایا۔پانچویں صدی

میں ہنڈیوں کو آلات اعتبار کے طور پر استعمال کرنے کے بھی شواہد ملتے ہیں۔ ہندوستان میں پہلا بینک ''بینک آف انڈیا'' کے نام سے قائم ہوا بعد میں حکومت نے پچاس لاکھ کے سرمائے سے 1809ء میں بینک آف بنگال کے نام سے جدید بینکاری کا آغاز کیا۔ پھر مدراس اور ممبئ میں بینک کھولے گئے۔ 1921ء میں امپیریل بینک کی بنیاد رکھی گئی اور 1935ء میں ریزرو بینک آف انڈیا کا قیام عمل میں آیا جو ملک کا مرکزی بینک قرار پایا۔ 1946ء میں ہندوستان میں 93 فہرستی بینک کام کررہے تھے، جن کی کل تین ہزار ایک سو چھ شاخیں تھیں۔

7۔ پاکستان میں بینکاری:

برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان کا نظام بینکاری ابتر حالت میں تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے تیزی سے ترقی کے مدارج طے کیے۔ تقسیم کے وقت مغربی پاکستان میں فہرستی بینکوں کی صرف 487 شاخیں تھیں جو جون 1948ء میں کم ہو کر 81 رہ گئیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔ نیشنل بینک آف پاکستان کا قیام 1948ء میں ہوا۔

بینک کا ارتقاء:

بینکاری نظام کا جدید نظام فوراً یا حادثاتی طور پر وجود میں نہیں آیا بلکہ بتدریج اور قدرتی طور پر انسان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر اس کا ارتقاء ہوا۔ بینکاری کی موجودہ شکل وصورت درج ذیل مدارج سے گزر کر وجود میں آئی۔

1۔ سوداگر:

بارھویں سے چودھویں صدی تک یہودی سوداگر معاشرے کا معزز اور دولت مند

طبقہ تصور کیے جاتے تھے ان کی اپنے ملک میں اور جہاں وہ لین دین کرتے بہت عزت تھی۔
آغاز میں ان کا کاروبار زر کے ادھار دینے اور تبدیل کرنے تک محدود تھا۔ بعد میں انہوں نے لوگوں سے امانتیں بھی وصول کرنا شروع کر دیں۔

سوداگروں کی منتقلی:

چودھویں صدی میں اٹلی کے بہت سے سوداگر برطانیہ چلے گئے جہاں انہوں نے زر کو بطور قرض دینے اور سود حاصل کرنے کا کاروبار شروع کیا ان کی مضبوط مالی حیثیت کی وجہ سے بادشاہ بھی ان سے قرض لیا کرتے تھے۔ انہی یہودی سوداگروں کو جدید بینکاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

بینک ڈرافٹ کی ابتداء:

ان سوداگروں نے غیر ممالک میں تاجروں کو ادائیگی کے لیے تحریری اجازت نامے جاری کیے اور ان ممالک میں اپنے جاننے والوں اور دوستوں کو ہدایات دیں کہ وہ تحریری اجازت نامے دکھانے والوں کو ایک مقررہ رقم ادا کر دیں۔ بعد ازاں اِن اجازت ناموں اور پرچیوں نے بینک ڈرافٹ، ہنڈی اور اعتبار رقعہ جات کی شکل اختیار کر لی۔

2۔ مہاجن / ساہوکار:

مہاجن سے مراد وہ لوگ ہیں جو خود مالدار ہوتے اور ضرورت مند افراد کو رقم سود پر قرض دیتے ان کے اس عمل کی وجہ سے بھی بینک کے تصور میں پیش رفت ہوئی۔

کاروبار میں وسعت:

آغاز میں مہاجن اپنے نجی ذرائع سے قرض دیتے تھے۔ بعد میں جب ان کا کاروبار وسیع ہو گیا تو انہوں نے رقم قرض دینے کے لیے ادھار بھی لینا شروع کر دیا۔ جن سے قرض

لیا جاتا انہیں کم شرح سود سے ادا کیا جاتا اور جن کو قرض دیا جاتا ان سے زیادہ شرح سے سود وصول کیا جاتا۔

مہاجن کے کاروبار کی ترقی یافتہ شکل:

جدید زمانے کے بینکوں کے دو بنیادی فرائض یعنی امانتوں کی وصولی اور قرضوں کا اجراء مہاجن کے ہی کاروبار کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔

سنار:

سنار بھی پیشے کے لحاظ سے قابل اعتماد اور ایماندار سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے نہ صرف بینک کے پودے کی نشو ونما کی (جسے یہودی سوداگروں نے لگایا تھا) بلکہ اس پودے کو ایک پھلدار درخت بنانے تک مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

قیمتی اشیاء کی حفاظت:

سناروں کے پاس قیمتی اشیاء اور زر کو محفوظ رکھنے کے لیے بہتر اانتظامات ہوتے تھے اس لیے لوگوں نے سونا چاندی اور نقدی وغیرہ سناروں کے پاس جمع کروانا شروع کر دیں۔ انگلینڈ کے سنار جو رقم لوگوں سے حفاظت کے لیے وصول کرتے تھے اس کی باقاعدہ رسید جاری کرتے تھے۔ سترھویں صدی کے اوائل میں یہ رسیدیں بطور زر استعمال ہونا شروع ہوگئیں کیونکہ لوگ ان رسیدوں پر اعتماد کرتے تھے۔

چیک کی ابتداء:

کچھ عرصہ بعد لوگوں نے اپنی جمع شدہ رقوم کے لیے مختلف تحریری اجازت نامے جاری کرنا شروع کیے۔ جس کے پاس اجازت نامہ ہوتا، وہ سنار سے اپنی رقم وصول کر لیتا موجودہ دور کا چیک انہی اجازت ناموں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

کاروبار میں وُسعت:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سناروں نے یہ محسوس کیا کہ بہت کم افراد ایک ہی وقت میں رقم نکلواتے ہیں۔اس طرح سونے، چاندی اور زر کی کافی مقدار ان کے پاس پڑی رہتی ہے تو سناروں نے فالتو رقم ضرورت مند لوگوں کو قرضے کے طور پر دینا شروع کردی اس طرح ایک طرف چیک اور دوسری طرف زر اعتبار کی تخلیق کا کام شروع ہوا۔

جدید بینک کا وجود:

سناروں کا قرض دینے کا کاروبار جب فروغ پا گیا تو انہوں نے عام لوگوں کو بھی ان کی جمع شدہ رقوم پر سود کی پیش کش کی۔سود کے لالچ میں لوگوں نے ان کے پاس اپنی رقم جمع کروانا شروع کردیں اور اس طرح قرض لینے اور دینے کا یہ سلسلہ باقاعدہ کاروبار کی شکل اختیار کرگیا جو آج کل کے جدید بینک کی بنیاد ہے۔ ﴿اصولِ بینکاری، صفحہ ۴ تا ۸﴾

سودی بینک یا کمپنی کی رکنیت وملازمت حرام ہے:

قارئین کرام! اس باب کا عنوان چونکہ ''اسلام اور بینکاری نظام'' ہے اور اس فصل میں بینک کی تعریف اور تاریخی پس منظر کو بیان کیا گیا ہے جس میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بینکاری کے ماہرین نے بینکاری کی تعریف میں ہی یہ بات شامل کی ہے کہ یہ کم شرح سود پر امانتیں وصول کرتا ہے اور زیادہ شرح سود پر قرضے دے کر منافع کماتا ہے۔اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ ایسے بینکوں اور کمپنیوں میں ملازمت کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے جن میں سودی کاروبار ہوتا ہے چنانچہ ذیل میں مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے ایک فتویٰ کو نقل کیا جارہا ہے جس سے سودی بینک یا کمپنی کی رکنیت و ملازمت کی شرعی حیثیت واضح ہوتی ہے۔

سوال:

ایک سودی بینک مسلمانوں نے ان شرائط پر قائم کیا کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ بیس روپے پہلی قسط ادا کرے اس کے بعد دس روپے سالانہ داخل کرتا جائے دس سال کے بعد اپنا اصلی روپیہ مع سود فی صدی فی ماہ بارہ آنے کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت کے مطابق بارہ آنے سینکڑہ پر دو روپیہ لے سکتا ہے پھر قسطوں سے ادا کرتا جائے۔ کہتے ہیں یہ بینک غریب مسلمانوں کے لیے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا۔ ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل اور داخل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لوں گا وہ مجھ پر حرام ہے مگر ضرورت پر سود دیا گیا۔ چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت، لینا دینا برابر ہے۔ اب میں داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا؟

جواب:

مندرجہ بالا صورت میں بینک کا قیام حرام قطعی ہے اور یہ سارے قواعد شیطانی ہیں اس کا ممبر بننا حرام ہے اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے:

لعن رسول الله ﷺ اکل الربو' و موکله و کاتبه وشاهدیه وقال هم سواء

رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

امام مذکور کا اس بینک کی ممبری قبول کرنا گناہ اور حرام ہے

قال اللّٰہ تعالیٰ و لا تعاونو علی الاثم والعدوان

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو

حدیث میں ہے: من مشی مع ظالم لیعینہ و ھو یعلم انہ ظالم

فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام

جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی

اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اس کے ان سود خوروں کو سود دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے لہٰذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی تو اس کا رکن بننے والا اور اس کے لیے روپیہ دینے والا، ضرور کاتب سے بدرجہ زائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار، حرام پر اصرار اور اعلانیہ فسق و استکبار ہے۔ ایسے فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے اور اسے معزول کرنا واجب ہے اور جتنی اس کے پیچھے نمازیں پڑھی ہوں، اس کا پھیرنا لازم ہے۔ ﴿سود ایک بد ترین جرم صفحہ ۴۸۔۴۹﴾

مذکورہ فتویٰ کے بعد اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ موجودہ دور میں اکثر لوگ بینک میں ملازمت کرتے ہیں اگر یہ حرام ہے تو ان ملازمین کے لیے اس کا متبادل شرعی حل کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں مفتی منیب الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

ہمارے ہاں بینکوں میں چونکہ سارا کاروبار سودی ہے، اس لیے اس کی ملازمت شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ یہ حرام میں معاونت ہے۔ البتہ جس شخص کے پاس اپنی گزر بسر اور اپنے زیرِ کفالت افراد کی بنیادی ضروریات کے لیے کوئی حلال ذریعہ روزی نہ ہو تو دلی کراہت اور ناگواری کے ساتھ ملازمت کرلے رزق حلال کے لیے جدوجہد کرتا رہے جب روزی کا حلال ذریعہ مل جائے تو اسے فوراً چھوڑ دے اور اللہ پر توکل کرے۔

﴿تفہیم المسائل جلد ۱ صفحہ ۳۳۹﴾

فصل سوم

اسلامی بینکاری کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

اسلامی بینکاری نظام کی تعریف

سود بینکاری نظام کا جزو لاینفک اور اس کی بنیاد ہے، اس کے بغیر بینکاری نظام کا کوئی قابل عمل تصور نہیں، یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جو عملی تجربے سے غلط ثابت ہو چکا ہے۔ اس وقت دنیا میں ایک ایسے متبادل نظام کا کامیاب تجربہ ہو رہا ہے جس میں سود اور اس کی قبیل کا کوئی عنصر موجود نہ ہو اس نظام کو بلا سود یا اسلامی بینکاری نظام کہا جاتا ہے ﴿سرمایہ کاری کے شرعی احکام صفحہ ۳۵﴾

بینک کی ضرورت:

مفتی محمد شریف الحق امجدی ''جدید بینکاری اور اسلام'' کے عنوان سے فرماتے ہیں:

''بینکوں میں روپے جمع کرنا اس زمانے میں ضروری ہے کہ گھروں میں روپے رکھنے پر چوری کا ظن غالب ہے، خدا ناترسی کی وجہ سے اب حال یہ ہو گیا ہے کہ بیویاں شوہروں کے روپے اور شوہر بیویوں کے روپے، اولاد ماں باپ کے روپے، بھائی بھائی کے روپے چرانے کے قصے آئے دن سننے میں آتے رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ باہر کے چور اور ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے۔ مال کے ساتھ جان کے لالے بھی پڑے رہتے ہیں ورنہ یہ بہت آسان تھا کہ لوگوں کو ہدایت کی جاتی کہ بینکوں میں روپے جمع نہ کریں بلکہ روپیوں کی چاندی اور سونا خرید کر گھر میں رکھ لیں جس میں عظیم منفعت بھی ہے''۔

﴿جدید بینکاری اور اسلام صفحہ ۱۰﴾

بینک کی اہمیت:

آج سے کئی سال قبل امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے قوم کو معاشی بحران سے نکالنے کے لیے جو نکات بیان فرمائے ہیں ان میں ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ ''بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس اور حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

سود کی بے پناہ مضرت رسانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خان نے اپنی دیگر کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے لہٰذا یہ امر یہاں واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی مراد ایسا بینکاری نظام تھا جو غیر سودی بنیادوں پر استوار ہو۔

جدید اقتصادی ڈھانچے میں بینک بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ایک مستحکم بینکنگ نظام ملکی معیشت کو تازہ وصحت مند خون فراہم کرتا ہے۔ بینک وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔ آج کا معاشی نظام بغیر بینکنگ کے عضو معطل ہو کر رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے موجودہ اقتصادی نظام کو ایک (Compoundd Interest System) کہا جاتا ہے یعنی ایسا نظام جس کی بنیاد سود مرکب پر ہے۔ ایسے نظام میں بینکوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

﴿فاضل بریلوی کے معاشی نکات صفحہ ۱۷﴾

بینک کے فرائض:

اقتصادی منصوبہ بندی میں سرمایہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کوئی بھی اقتصادی منصوبہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا یا کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو بغیر سرمایہ تکمیل کے مراحل طے نہیں کرسکتا۔ اقتصادی ترقیاتی منصوبوں میں بینکوں کے سپرد یہ اہم کام ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ

کی قلت دور کرے اور بچت اور سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کریں۔ ایک مضبوط بینکنگ نظام چھوٹی چھوٹی بچتوں کو اس طرح یکجا کر کے کام میں لاتا ہے کہ اس کے ذریعے بڑے بڑے اقتصادی منصوبے پایہ تکمیل کو جا پہنچتے ہیں۔ اس طرح بینک دو اہم فرائض سر انجام دیتا ہے۔

1۔ وہ لوگوں کی چھوٹی یا بڑی رقمیں جمع کرتے ہیں۔

2۔ رقوم ایسے افراد کو قرض پر دیتے ہیں کہ جو انہیں پیداواری کاموں پر صرف کر سکیں۔

پیداواری کاموں سے مراد ان کاموں سے ہے جن کا نتیجہ ایسی اشیاء و خدمات کی پیدائش میں ہوتا ہے جو مستقبل کی پیدائش دولت میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

﴿فاضل بریلوی کے معاشی نکات صفحہ ۱۸﴾

روایتی اور اسلامی بینکاری میں بنیادی فرق:

مروجہ روایتی بینکاری اور نئی وجود پذیر اسلامی بینکاری میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔ اس فرق کی وضاحت ذیل کی سطور میں کی جا رہی ہے۔

روایتی بینکاری

بینک ایسا مالیاتی واسطہ ہے جو سود پر قرض لیتا ہے اور پھر اپنی رقوم کو سود پر بطریق قرض دیتا ہے۔ چونکہ بینک کا یہ سارا عمل دستاویزات کی حد تک ہوتا ہے جس میں کوئی پیداواری عمل نہیں ہوتا اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ روایتی بینک صرف دستاویزات کی حد تک معاملات کرتا ہے گویا صرف کاغذی کارروائی ہوتی ہے۔

اسلامی بینکاری:

اسلامی بینکنگ ایسا بینکاری نظام ہے جس کی بنیاد اسلام کے معاشی قوانین پر رکھی گئی

ہے۔اس کی امتیازی خصوصیت دو بنیادی اصول ہیں، نفع ونقصان میں شراکت اور سود کی ادائیگی اور وصولی کی ممانعت اس بات کو لازم کرتی ہے کہ اسلامی بینک کے معاملات صرف دستاویزات کی حد تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ ان میں عملی افعال وخدمات کا بارآور عنصر بھی بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی بینک دستاویزات کی بجائے اثاثہ جات میں معاملہ کرتا ہے۔روایتی اور اسلامی بینک کے مابین فرق کو حسب ذیل مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے۔

روایتی بینک کی مثال:

زید بینک سے گاڑی خرید کردینے کی درخواست کرتا ہے جس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے۔ بینک زید کو ایک لاکھ روپے اس شرط پر دے دیتا ہے کہ زید 3 سال کی مدت میں طے شدہ اقساط میں کل رقم مع نفع پندرہ فیصد ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے بینک کو ادا کرے گا۔ بینک کاغذات میں درج کردیتا ہے کہ زید کو گاڑی (اصل رقم مع پندرہ فیصد منافع کل ایک لاکھ پندرہ ہزار) میں فروخت کی گئی۔اس معاملہ میں خرابی یہ ہے کہ اس میں سوائے کاغذات کے گاڑی کہیں بھی موجود نہیں ہے یہ محض پیسے کا لین دین ہے بینک ایک مخصوص رقم دے کر اسے اضافی رقم کے ساتھ واپس وصول کرتا ہے اور یہ اضافی رقم سود ہے۔

اسلامی بینک کی مثال:

یہ معاملہ اسلامی بینک میں اسلامی اصول (مرابحہ) پر ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ بینک زید کو گاڑی ہی حوالے کرتا ہے اور اس سے اصل رقم مع منافع 15 فیصد (کل ایک لاکھ پندرہ ہزار) وصول کرتا ہے۔

2۔ زید بینک کے وکیل کی حیثیت سے گاڑی خرید کر پھر بینک کی اجازت سے اس پر اپنی

طرف سے قبضہ کرتا ہے۔ نیز بینک کو اسی مناسبت سے رقم ادا کرتا ہے۔ 15 فیصد نفع اسلامی بینک کے لیے تو شرعاً جائز ہے کیونکہ یہ بیع ہے مگر روایتی بینک کے لیے سود ہے کیونکہ وہ قرض پر نفع وصول کرتا ہے جو کہ شریعت اسلامی میں حرام ہے۔

﴿ماہنامہ ضیائے حرم فروری 2014﴾

روایتی اور اسلامی بینکوں کا دیگر امور میں فرق:

1۔ روایتی بینک کے معاملات میں ایسی معاشی سرگرمی جس کی بناء پر ملک کی معیشت کو فائدہ ہو معدوم ہوتی ہے اور اگر کسی معاملہ میں معاشی سرگرمی ہو تو اس میں ظلم یا غرر کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ ایک صحیح اسلامی بینک کے معاملات میں معاشی سرگرمی ظلم اور غرر سے منزہ ہوتی ہے جو ملکی معیشت کے لیے مفید ہوتی ہے۔

2۔ روایتی بینک میں صارف کسی قسم کا رسک نہیں لیتا۔ نقصان کی صورت میں بھی اس کا اصل سرمایہ محفوظ رہتا ہے جبکہ اسلامی بینک میں صارف اپنے اصل سرمائے پر نقصان کا اندیشہ مول لیتا ہے۔ نقصان کی صورت میں وہ بینک کے ساتھ شرعی اصولوں کے مطابق شرکت کرتا ہے۔

3۔ روایتی بینک جب قرض دیتا ہے تو اس پر سود مرکب وصول کرتا ہے جبکہ اسلامی بینک قرض نہیں دیتا بلکہ مرابحہ کے عقد شرعی کے ذریعے صارف کی ضرورت پوری کرتا ہے جو عقد مرابحہ کرنا چاہتا ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ خریدنا یا بنوانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اسلامی بینک وہ چیز خرید کر صارف کو مرابحہ پر بیچ دیتا ہے اس کے علاوہ اسلامی بینک میں دوسرے اسلامی عقود کے ذریعے بھی تمویل کی خدمات مہیا کی جاتی ہیں۔

4۔ روایتی بینک میں صارف کو قرض دینے کی صورت میں اس سے سود ہر حال میں وصول کیا جاتا ہے جبکہ اسلامی بینک مشارکہ و مضاربہ کی صورت میں شرعی اصول و

ضوابط کے تحت معاملات کر کے صارف کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

5۔ روایتی بینک اور صارف کا ایک دوسرے سے صرف قرض خواہ اور قرض دار کا تعلق ہوتا ہے جس میں نفع لینا یا دینا حرام ہے کیونکہ قرض پر نفع سود کہلاتا ہے۔ جبکہ اسلامی بینک اور صارف کا تعلق مختلف الجہت ہوتا ہے مثلاً 1۔ باہم شریک 2۔ تاجر اور سرمایہ داری 3۔ خریدار اور فروخت کنندہ ان سب صورتوں میں شریعت کے طے کردہ اصول پر نفع کمانا حلال ہے۔

6۔ روایتی بینک میں روپیہ از خود ایک جنس ہے جس پر نفع کمایا جاتا ہے جبکہ اسلامی بینک میں حقیقی اثاثہ جات ہی پروڈکٹ ہیں جن پر نفع کمایا جاتا ہے۔ روپیہ تو صرف خرید و فروخت کا ذریعہ ہوتا ہے۔

7۔ روایتی بینک میں وقت کی بناء پر سرمایہ سے سود کمایا جاتا ہے یعنی جتنی زیادہ مدت کا قرض ہوگا اس طرح سود کی شرح بڑھے گی، یہی سود بینک کا نفع ہے۔ جبکہ اسلامی بینک میں نفع کمانے کے لیے اشیاء و خدمات کی خرید و فروخت ہوتی ہے جو کہ ایک جائز طریقہ ہے۔

8۔ روایتی بینک اپنے سارے Deposit پر گارنٹی دیتا ہے کہ وہ نقصان کی صورت میں بھی قابلِ واپسی ہوں گے کیونکہ وہ ڈیپازٹس قرض ہوتا ہے جبکہ اسلامی بینک صرف Current Deposit پر گارنٹی دیتا ہے کیونکہ وہ قرض ہوتا ہے اور قرض پر گارنٹی شرعاً جائز ہے کہ اس کا لوٹانا لازم ہے۔ باقی ڈیپازٹ تو مضاربہ کی بنیاد پر ہوتے ہیں جن پر نقصان کا رسک برداشت کرنا ہوتا ہے۔

اسلامی بینکوں میں رائج عقود کا طریقہ کار

اسلامی بینکوں میں ایجاب وقبول:

مروجہ اسلامی بینکاری نظام میں مرابحہ، اجارہ اور دیگر عقود میں تحریری ایجاب وقبول کو ہی زیادہ استعمال کیا جارہا ہے اور اس میں بذریعہ فیکس، ای میل اور عام میل کے ذریعے تحریری ایجاب یا قبول ارسال کیے جاتے ہیں۔ تحریری ایجاب وقبول میں عام طور پر یہ غلطی مشاہدے میں آئی ہے کہ ایجاب وقبول کی تاریخ میں موافقت نہیں ہوتی اور کبھی ترتیب کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے یعنی ایجاب کے آئے بغیر قبول کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح معاملہ بیع باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ایجاب وقبول ارکان بیع میں سے ہیں لہٰذا اسلامی بینکار کے لیے ایجاب وقبول کی اس اہم شرط کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اگر قبول پہلے کر لیا جائے یا تاریخ آگے پیچھے ہو جائے اور معلوم ہو جانے پر صرف کاغذات میں تبدیلی کر دی جائے تو معاملہ درست نہیں ہو جاتا جیسا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں بلکہ نئے سرے سے معاملہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مبیع استعمال نہ ہوئی ہو۔

﴿سرمایہ کاری کے شرعی احکام صفحہ ۷۳۔۷۴﴾

مرابحہ اور اسلامی بینکاری نظام:

مرابحہ اگرچہ مشارکہ ومضاربہ کی طرح باقاعدہ ایک تمویلی طریقہ کار نہیں ہے۔ بلکہ بیع کی ایک قسم ہے تاہم اس کی افادیت کے پیش نظر موجودہ اسلامی بینکاری نظام میں اسے ایک اہم پروڈکٹ کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے اور ایک سروے کے مطابق اسلامی بینکوں کے کل مالیاتی معاملات کا تقریباً 70 فیصد مرابحہ پر مشتمل ہے۔

اسلامی بینک درج ذیل مراحل میں مرابحہ کی سہولت اپنے کلائنٹ کو فراہم کرتا ہے:

1۔ سب سے پہلے کلائنٹ اپنی مطلوبہ شے کے حصول کے لیے بینک سے مرابحہ کی سہولت کی درخواست کرتا ہے۔

2۔ بینک یا مالیاتی ادارہ تمام ضروری لوازمات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد ایک طے شدہ رقم تک مرابحہ کی سہولت اپنے کلائنٹ کو دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں بینک اپنے کلائنٹ سے بھی یہ وعدہ لیتا ہے کہ ادارہ جب کلائنٹ کی مطلوبہ اشیاء خرید لے گا تو وہ بینک سے اس شے کو ضرور خرید لے گا۔ درج ذیل باتوں کو عام طور پر "ماسٹر مرابحہ ایگریمنٹ" میں لکھ دیا جاتا ہے، جس پر بینک اور کلائنٹ دونوں کے دستخط ہوتے ہیں۔ اس ایگریمنٹ کی شرعی حیثیت "وعدۂ بیع" کی ہوتی ہے۔

3۔ اس کے بعد جب کلائنٹ کو اپنی مطلوبہ شے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنی ضرورت سے بینک کو آگاہ کرتا ہے۔ جس فارم پر کلائنٹ بینک کو اپنی مطلوبہ شے کی خریداری کے لیے درخواست کرتا ہے اسے "درخواست برائے خریداری مال" کہتے ہیں۔ اس میں عام طور پر شے کا نام، اس کی مقدار، قسم اور قیمت اور فروخت کنندہ کمپنی یا ادارے کا نام درج ہوتا ہے۔

4۔ اب بینک اپنے کلائنٹ کے لیے مطلوبہ شئ اپنے کلائنٹ کو وکیل مقرر کر کے "درخواست برائے خریداری مال" میں درج کردہ کمپنی سے خرید لیتا ہے۔ بینک عام طور پر کلائنٹ کو اپنا وکیل ایک وکالت نامے کے ذریعے پہلے ہی مقرر کر دیتا ہے تاہم جب کبھی اسے کلائنٹ کی طرف سے درخواست موصول ہوتی ہے بینک دوبارہ اسے بطور وکیل بینک کی جانب سے شے کو خریدنے کے لیے کہتا ہے۔

5۔ اس کے بعد کلائنٹ بینک کے وکیل کی حیثیت سے مطلوبہ شئ خرید کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے چونکہ وہ بینک کا وکیل ہے لہٰذا اس کا قبضہ شمار ہوتا ہے۔ بینک اس شئ کا

مالک بن جاتا ہے لہٰذا کلائنٹ کی خریداری سے قبل اس شئ کے تمام خطرات بینک کی طرف منتقل ہونگے کسی بھی قسم کا نقصان بینک کو برداشت کرنا ہوگا۔

6۔ کلائنٹ اپنی مطلوبہ شئ کو خرید کر اور اس پر قبضہ حاصل کر کے بینک کو آگاہ کرتا ہے کہ اس نے بینک کے وکیل کی حیثیت سے فلاں چیز خرید لی ہے۔

7۔ اس کے بعد کلائنٹ بینک کو ایجاب کے ذریعے اس شئ کو خریدنے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایجاب کلائنٹ کی بجائے بینک کرتا ہے۔

8۔ ایجاب کے آنے کے بعد اسے قبول کرلیتا ہے اور اس طرح مرابحہ کا عمل مکمل ہوجاتا ہے۔بینک جیسے ہی ایجاب کو قبول کرتا ہے تو شئ کی ملکیت بینک سے کلائنٹ کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور اس کے خطرات وفوائد بھی کلائنٹ کو منتقل ہوجاتے ہیں۔

9۔ مال کو فروخت کیے جانے کے بعد بینک اور کلائنٹ کے درمیان دائن (قرض دینے والا) اور مدیون (قرض لینے والا) کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔

مرابحہ کے متعلق چند اہم امور:

1۔ مبیع کا وجود ضروری ہے،ایسی چیز جو وجود میں نہیں آئی اس کا مرابحہ نہیں ہوسکتا۔

2۔ اگر مال کلائنٹ کے ذریعے خریدا جارہا ہے،تو ضروری ہے کہ پہلے کلائنٹ کو ایجنٹ بنایا جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ مال پہلے سے کلائنٹ کی ملکیت میں نہ ہو ورنہ یہ بیع عینہ ہوجائے گی جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔

3۔ مبیع کو فروخت کرنے سے پہلے بینک کی ملکیت میں آنا۔اگرچہ بینک کے پاس یہ ملکیت ایک لمحے کے لیے کیوں نہ ہو۔

4۔ ایجاب وقبول کے تمام لوازمات کا پورا کرنا ضروری ہے۔

5۔ خریدار پر منافع کو ظاہر کرنا بیع مرابحہ کی اہم خصوصیت ہے لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ مبیع پر آنے والا منافع کلائنٹ پر ضرور ظاہر کیا جائے وگرنہ یہ بیع مساومہ ہو جائے گی۔

6۔ کلائنٹ کو ایجنٹ بنانا اور مال کا بیچنا دونوں عمل بالکل جدا جدا ہوں۔

7۔ قیمت کا تعین خرید و فروخت کے وقت ہو اور ایک دفعہ قیمت کے مقرر کر دینے کے بعد دوبارہ اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

8۔ ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں کلائنٹ کی طرف سے خیراتی فنڈ میں رقم جمع کرانے کا ایک طرفہ وعدہ بھی لیا جا سکتا ہے۔

اسلامی بینک اور بیع عینہ:

برصغیر پاک و ہند میں بیع عینہ کے جواز و عدم جواز پر علماء کرام کے درمیان اگرچہ اختلاف ہے تاہم یہاں کے اسلامی بینک کے چند معاملات میں بیع عینہ کو کچھ شرائط کے ساتھ استعمال کیا جا رہا ہے خاص طور پر Sale and Lease Back میں اس کا استعمال عام ہے۔ ملائیشیا اور فقہ شافعی پر عمل کرنے والے چند دوسرے ممالک کے اسلامی بینکوں میں بیع عینہ کی بنیاد پر کئی پروڈکٹس متعارف کرائی گئی ہیں اور اس کی بنیاد پر کریڈٹ کارڈ بھی جاری کیا جا رہا ہے۔

اسلامی بینک اور اجارہ:

اجارہ اسلامی معاشیات کی ایک ایسی اصطلاح ہے، جس کے ذریعے کسی شئے کے منافع کو استعمال کرنے کا حق ایک مخصوص رقم کے عوض مقررہ مدت تک کسی کو دیا جاتا ہے اور مدت کے اختتام پر شئے دوبارہ اصلی مالک کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنی خدمات مخصوص وقت کے لیے دوسرے کو طے شدہ اجرت کے بدلے دیتا ہے تو یہ بھی اجارہ ہی ہے۔

اجارہ کی اقسام:

اجارہ کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

1۔ اجارۃ الاعیان 2۔ اجارۃ الاشخاص

1۔ اجارۃ الاعیان:

اجارہ کے معنی ہیں ''کرایہ پر دینا'' اور اعیان عین کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ''سامان یا خارج میں موجود اشیاء'' کے ہیں جبکہ اصطلاح میں اجارۃ الاعیان سے مراد ''کسی چیز کے حق استعمال کو طے شدہ مدت کے لیے کرائے پر دینا'' مثلاً مکان یا گاڑی وغیرہ کو کرائے پر دینا۔ اجارہ پر دی جانے والی چیز کی ملکیت اس کے مالک کے پاس ہی رہتی ہے۔ مستاجر اس سے فائدہ حاصل کرنے کا حق دار ہوتا ہے۔

اجارۃ الاعیان عام طور پر درج ذیل تین اقسام کی چیزوں پر ہوتا ہے:

1۔ جائیداد غیر منقولہ مثلاً زمین اور مکانات وغیرہ

2۔ سامان مثلاً کپڑے اور برتن وغیرہ

3۔ جانور وغیرہ

2۔ اجارۃ الاشخاص:

ایسا اجارہ جس میں کوئی شخص/ادارہ اپنی خدمات کسی کو طے شدہ معاہدے کے تحت دیتا ہے اور اس کا معاوضہ اجرت کی صورت میں لیتا ہے، جیسے مزدوری پر کام کرنا وغیرہ۔ اجارۃ الاشخاص کو ''اجارۃ الخدمت'' بھی کہتے ہیں۔

اجارہ کے بنیادی عناصر:

1۔ اجیر/مؤجر 2۔ مستاجر 3۔ ایجاب وقبول 4۔ اجرت/کرایہ 5۔ اثاثہ

اجارہ کی درستگی کے لیے شرائط:

عقد اجارہ کی درستگی کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔ان شرائط میں سے کچھ شرائط اجارہ خدمت اور کچھ اجارہ اعیان کی ہیں جبکہ چند ایسی شرائط ہیں جن کا تعلق دونوں سے ہے۔

1۔ عاقدین عاقل ہوں اجارہ میں عاقدین کا بالغ ہونا شرط نہیں بلکہ اگر سمجھدار نابالغ بچے نے اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت سے اپنے لیے اجارہ خدمت یا اپنے مال کے لیے اجارۂ اعیان کیا تو جائز ہے۔

2۔ دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی سے عقد اجارہ منعقد ہوا ہو۔

3۔ اجارہ کرنے کا اختیار حاصل ہو یعنی جو اجارہ کر رہا ہے اسے ملکیت یا ولایت (سرپرستی) حاصل ہو، اگر کسی نے دوسرے شخص کی خدمت یا چیز پر اس کی اجازت کے بغیر اجارہ کر لیا، تو وہ اجارہ دوسرے شخص کی اجازت پر موقوف ہوگا۔موقوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس تیسرے شخص کی اجازت سے اجارہ نافذ العمل اور منع کرنے پر نافذ العمل نہیں ہوگا۔

4۔ شے مستاجر کے سپرد کر دی جائے تاکہ وہ اس سے آزادی کے ساتھ منافع حاصل کر سکے۔

5۔ اجرت معلوم ہو۔

6۔ صنعت کا تعین ہو تاکہ مستقبل میں منفعت کے حوالے سے فریقین میں کسی قسم کا تنازع پیدا نہ ہو۔

7۔ مدت کا تعین ہو یعنی جتنی مدت کے لیے اجارہ کیا جا رہا ہے اسے واضح طور پر بیان کر دیا جائے۔

8۔ جس کام پر اجارہ ہو رہا ہو وہ قابل انتفاع ہوں اور شرعاً انہیں تسلیم بھی کیا گیا ہو۔گناہ

کے کاموں اور ایسی شئی جو گم ہو یا اپنی منفعت کھو چکی ہو اس کا اجارہ درست نہیں۔

9۔ جس شئی کا یا جس کام پر اجارہ ہو رہا ہو، اس کی منفعت اجارے کی اجرت نہ بنائی جائے۔

10۔ کسی ایسے کام کا اجارہ نہ ہو جو بندے پر ازروئے شرع فرض ہو جیسے نماز یا روزہ رکھنے کا اجارہ۔

11۔ مذکورہ بالا تمام شرائط کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ معاہدے میں کوئی ایسی شرط عائد نہ کی گئی ہو جو شرعی عقد کے خلاف ہو۔

اجارہ کا حکم:

اجارہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں فریقین میں سے ایک منفعت جبکہ دوسرا اس کے بدلے میں اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن اجرت کا مستحق یک دم نہیں ہوتا بلکہ تدریجاً یعنی جیسے جیسے شئی استعمال ہو گی یا کام ہوتا جائے گا اس کے اعتبار سے بالترتیب کرایہ اور اجرت بھی لازم ہوتی جائے گی۔

اجارۂ خدمت میں اجیر کی صورتیں:

اجارہ خدمت میں اجیر کی دو صورتیں ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

اجیر مشترک یا عام:

اجیر مشترک وہ ہے جو مقررہ وقت میں ایک ہی شخص کے کام کو سرانجام دینے کا پابند نہ ہو بلکہ ایک وقت میں دوسرے کئی لوگوں کے کام بھی کر سکتا ہو جیسے ہیئر ڈریسر خدمات فراہم کرنے والے تمام ادارے، تشہیر کے ادارے، وکلاء و قانونی مشیران اور مال اٹھانے والے وغیرہ یہ سب ایک شخص یا ادارہ کا کام کرنے کے پابند نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی وقت میں مختلف لوگوں کے کام لیتے اور کرتے ہیں۔

اسلامی بینک اور اجارۃ الاشخاص/اجارۃ الخدمت:

اسلامی بینک اجارۃ الاشخاص/اجارۃ الخدمت میں اجیر مشترک یا عام کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتا ہے، کیونکہ وہ کسی ایک شخص کا کام کرنے کا پابند نہیں ہوتا بلکہ ایک وقت میں کئی لوگوں کو اپنی خدمات دے رہا ہوتا ہے۔

اسلامی بینک اس اجارہ کے تحت عام طور پر درج ذیل خدمات سرانجام دیتا ہے۔

1۔ یوٹیلیٹی بلز کو جمع کرنا

2۔ مختلف اقسام کے کارڈ مثلاً اے۔ٹی۔ایم اور ڈیبٹ کارڈ کا اجراء

3۔ مالیاتی اداروں کو شرعی مشاورت دینا۔

4۔ پروڈکٹ کی تشکیل میں مدد فراہم کرنا

اسلامی بینک اور اجارۃ الاعیان:

اسلامی بینکوں میں اجارۃ الاشخاص کی طرح اجارۃ الاعیان کو بھی بڑی کامیابی کے ساتھ ایک پروڈکٹ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اجارۃ الاعیان کے استعمال کی صورت یہ ہے کہ اسلامی بینک اپنے کلائنٹ کو اس کی مطلوبہ شئ مثلاً مشینری اور گاڑی وغیرہ خرید کر ایک مقررہ مدت کے لیے کرائے پر دیتا ہے اور اس کے استعمال کے عوض کلائنٹ سے کرایہ وصول کرتا ہے۔ اجارہ میں اگرچہ حقِ منافع کلائنٹ کے پاس ہوتا ہے لیکن ملکیت اس کی طرف نہیں ہوتی بلکہ وہ بینک کے پاس ہی رہتی ہے لہٰذا ملکیت کے حوالے سے تمام اخراجات اور ذمہ داریاں بینک ہی برداشت کرتا ہے اگرچہ بینک کرایہ کے تعین میں ان اخراجات کا اعتبار کرتے ہیں۔

اجیر مشترک یا عام کے احکام:

1۔ اجیر مشترک میں اجارہ کا تعلق چونکہ کام سے ہے لہٰذا ایک ہی وقت میں وہ کئی لوگوں کے کام لے سکتا ہے اور انہیں کر بھی سکتا ہے۔

2۔ اجیر مشترک کام پورا کیے بغیر اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

3۔ نقصان کی صورت میں اجیر ضامن ہوگا۔

2۔ اجیر خاص:

جو شخص یا ادارہ کلی وقت یا کچھ وقت کے لیے کسی ایک شخص یا ادارے کا کام کرتا ہو اور اس وقت میں کسی اور شخص یا ادارے کا کام نہ کر سکے اسے "اجیر خاص" کہتے ہیں۔ دفاتر اور کارخانے وغیرہ میں جو لوگ ایسی خدمات سرانجام دیتے ہیں عام طور پر وہ اجیر خاص ہی ہوتے ہیں۔

اجیر خاص کے احکام:

1۔ اس میں چونکہ اجارہ کا تعلق وقت سے ہے یعنی اجیر اپنا وقت اجارہ پر دے چکا ہوتا ہے لہٰذا اس متعین وقت میں وہ کسی اور کا کام نہیں کر سکتا۔

2۔ طے شدہ وقت میں اس کی حاضری ضروری ہے، حاضری کی صورت میں خواہ اس نے کوئی کام کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں اجرت لینے کا حقدار ہے، لیکن اگر اس نے اپنے ذمہ عائد کام کو پورا نہیں کیا تو اجرت کا حقدار نہیں ہوگا۔

3۔ اجیر خاص چونکہ مستاجر کے مال کا امین بھی ہوتا ہے لہٰذا دوران کام اگر کوئی چیز اجیر کی تعدی (زیادتی) کے بغیر ضائع ہوگئی تو اس پر ضمان (حقیقی نقصان) لازم نہیں آئے گا لیکن اگر تعدی ثابت ہوگئی تو اجیر حقیقی نقصان کا ضامن ہوگا۔

اجیر خاص کے کام کی نوعیت

اجیر خاص کے کام کی نوعیت کے بارے میں ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ وہ کام کس طریقے سے سرانجام دے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر کام کی تین حالتیں ہیں۔ سست، معتدل، نہایت تیز، اگر مزدوری میں سستی سے کام کرتا ہے تو اجیر گنہگار ہوگا اور اس پر پوری مزدوری لینا حرام، کام کرنے کے اعتبار سے اجرت لینے کا حقدار ہوگا، اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر (کام کروانے والا) کو واپس کرنا ضروری ہے اور اگر وہ نہ رہا تو اس کے موجودہ وارثوں کو واپس کردے، ان کا بھی کچھ پتا نہ چلے تو کسی مستحق مسلمان کو صدقہ کرے۔ اس مال کو اپنے استعمال میں لانا اجیر کے لیے حرام ہے اور اگر مزدوری میں معتدل (درمیانہ) کام کرتا ہے تو مزدوری حلال ہے اگرچہ اپنے ذاتی کام یا کسی اور کام میں حد سے زیادہ مشقت اٹھا کر زیادہ کام کرتا ہو۔

اسلامی بینکوں میں اجارۃ الاعیان کے مراحل:

اسلامی بینکوں میں اجارۃ الاعیان درج ذیل مراحل میں مکمل ہوتا ہے:

1۔ سب سے پہلے کلائنٹ مطلوبہ بینک کو شئ مذکورہ اجارہ پر لینے کے لیے باقاعدہ درخواست کرتا ہے اور پھر اپنی مطلوبہ شئ کے مقام خرید اور قیمت خرید سے بینک کو آگاہ کرتا ہے۔

2۔ کلائنٹ کی درخواست وصول کرنے کے بعد بینک پہلے اپنی شرائط کے مطابق کلائنٹ کے متعلق تمام معلومات حاصل کرتا ہے تاکہ کلائنٹ کو اجارہ کی سہولت دینے یا نہ دینے کا حتمی فیصلہ کر سکے۔

3۔ اگر بینک کلائنٹ کی فراہم کردہ معلومات سے مطمئن ہوتا ہے تو پھر وہ مطلوبہ شئ کو

کبھی بلا واسطہ اور کبھی بالواسطہ یعنی کلائنٹ کو ایجنٹ بنا کر اس کے ذریعے خرید لیتا ہے اور اس طرح اس چیز کی ملکیت بینک کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور بینک اس کا ضامن ہو جاتا ہے۔

4۔ شے کی ملکیت بینک کو منتقل ہو جانے کے بعد کلائنٹ اور بینک کے درمیان باقاعدہ اجارہ کا معاہدہ ہوتا ہے، جس میں اجارہ کی مدت، کرایہ کا تعین اور کرایہ لینے کے طریقہ کار کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کا تنازع واقع نہ ہو۔ فریقین کی جانب سے معاہدہ پر دستخط ہو جانے کے بعد کلائنٹ اس چیز کا منافع حاصل کرنے کا حقدار ہو جاتا ہے جبکہ ملکیت بینک کے پاس ہی رہتی ہے۔

5۔ اختتام مدت کے بعد شئے دوبارہ بنک کی ملکیت میں چلی جاتی ہے یا پھر دوبارہ سے فریقین کے درمیان اجارہ ایگریمنٹ قائم ہو جاتا ہے۔ اجارہ کی اصل صورت تو وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ مدت کے اختتام کے بعد اجارہ میں دی ہوئی چیز آجر/موجر کی ملکیت میں چلی جائے لیکن جدید اسلامی بنکاری نظام میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ: بعض اوقات بنک اپنے کلائنٹ سے یکطرفہ وعدہ کرتا ہے کہ اجارہ کے اختتام پر وہ اپنی چیز مستاجر سے اتنی قیمت پر فروخت کر دے گا لیکن اس میں یہ بہت اہم ہے کہ اس وعدے کا تعلق اجارہ ایگریمنٹ سے بالکل نہ ہو بلکہ بنک علیحدہ سے اس کا وعدہ کرے کیونکہ اگر اسے معاہدہ اجارہ کے ساتھ منسلک کیا گیا تو شرعی نقطہ نظر سے یہ جائز نہیں ہوگا۔

قرض اور کرنٹ اکاؤنٹ:

سودی بینکوں کے برعکس اسلامی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں آنے والی رقم قرض شمار کی جاتی ہے۔ اکاؤنٹ ہولڈر قرض خواہ اور بینک قرض دار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بینک

اپنے کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈر کو اس رقم پر کوئی منافع نہیں دیتا ہے۔ البتہ بینک اس بات کی گارنٹی ضرور دیتا ہے کہ وہ اکاؤنٹ ہولڈر کو اس کی رقم اس کے مطالبے پر بغیر کم و کاست دینے کا پابند ہے۔ اسلامی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ کے بارے میں ایک سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ آج کل اسلامی بینک اپنے کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈرز کو سہولیات مفت فراہم کرتا ہے مثلاً اے ٹی ایم، فری آن لائن سروسز، فری پے آرڈر کا اجراء اور ان جیسی دیگر سہولیات تو کیا سہولتیں منفعت میں شمار ہو کر سود کے زمرے میں نہیں آئیں گی۔

چونکہ مذکورہ بالا سہولیات کا تعلق عصر جدید کے مسائل سے ہے لہٰذا عصرِ حاضر کے علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ایسی تمام عمومی سہولیات جو عام طور پر کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈرز کو بغیر کسی تفریق کے دی جاتی ہیں اور بینک یہ سہولیات اپنے دیگر اکاؤنٹ ہولڈرز یعنی سیونگ اکاؤنٹ ہولڈرز کو بھی دیتے ہیں تو یہ سود میں شمار ہوگا۔

اسلامی بینک اور قرض حسن:

ہمارے یہاں اسلامی بینکوں میں اگرچہ قرض حسن کا باقاعدہ آغاز نہیں کیا گیا تاہم چند بینک اپنے چیریٹی اکاؤنٹ میں آنے والی رقوم کو ضرورت مندوں کو بطور قرض حسن دے رہے ہیں۔ قرض حسن جو اسلامی مالیاتی نظام کا حسن ہے اور پاکستانی معاشرے کی ضرورت بھی لہٰذا اسے بھی جلد از جلد اسلامی بینکوں میں شروع ہو جانا چاہیے۔ اس سے نہ صرف اس نظام پر اعتراض کرنے والوں کے ایک بہت بڑے اعتراض کو دور کیا جا سکے گا بلکہ اسلامی معیشت اپنی روح کے ساتھ معاشرے میں رائج ہو جائے گی۔

اسلامی بینک اور رہن:

لین دین کے معاملات میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کو قرض یا ادھار پر

شے کو لینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے لیکن دینے والے (قرض خواہ / دائن) کو یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ اس کا حق اسے ملے گا یا نہیں؟ لہٰذا شریعت نے قرض خواہ/دائن کے اطمینان قلبی کے لیے قرض دار / مدیون کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ قرض خواہ کے پاس اپنی مملوکہ شئی اس کے پاس بطور رہن رکھ دے۔ اس طرح دونوں کا فائدہ ہو جائے گا کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور قرض خواہ کو اپنا حق واپس مل جانے کا یقین ہو جائے گا اور اگر قرض دار نے اس کی رقم ادا نہ کی تو وہ مال مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق لے سکتا ہے قرض خواہ اور قرض دار کا یہ عمل شرعی طور پر رہن کہلاتا ہے۔

رہن کے لغوی معنی:

رہن کے لغوی معنی ''ثبوت و دوام، محبوس کرنے اور گروی رکھنے'' کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں رہن اس مال کو کہتے ہیں جو مدیون / قرض دار اپنے دائن (قرض خواہ) کے پاس بطور امانت جمع کرواتا ہے تا کہ دائن کو قرض کی ادائیگی کا یقین ہو جائے۔

اصطلاحاتِ رہن:

راہن: رہن رکھوانے والے مقروض کو ''راہن'' کہتے ہیں۔

مرتہن: جو شخص اپنے قرض کے عوض رہن لے تا کہ اسے قرض وصول ہونے کا یقین ہو جائے اسے ''مرتہن'' کہتے ہیں۔

مال مرہون / رہن شدہ مال: وہ مال یا شئی جو رہن کے طور پر رکھوائی جائے اسے ''مرہون'' کہتے ہیں۔

عدل: وہ شخص جسے راہن اور مرتہن نے امانتدار قرار دے کر مال سپرد کیا ہو۔

رکنِ رہن:

رہن کے نفاذ کے لیے راہن اور مرتہن کا ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے البتہ اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مالِ مرہون مرتہن کے سپرد کر دیا جائے لہٰذا مرہون شئی کی سپردگی سے پہلے راہن کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ رہن سے رجوع کرے۔ ایجاب وقبول میں لفظ رہن اور گروی کے علاوہ ہر وہ لفظ بولا جا سکتا ہے جو رہن کے معنی ومفہوم میں مستعمل ہو مثلاً یہ کہنا کہ جب تک میں تمہارا قرض ادا نہ کر دوں اس وقت تک یہ چیز تمہارے پاس بطور رہن رہے گی وغیرہ۔

شرائطِ رہن:

معاملۂ رہن کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ راہن ومرتہن دونوں عاقل ہوں البتہ اس میں بلوغت شرط نہیں ہے لہٰذا سمجھ دار نابالغ بچہ بھی راہن یا مرتہن بن سکتا ہے۔ کسی شئی کو رہن رکھنے کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر راہن نے وعدہ کے مطابق اپنی ذمہ داری پوری نہ کی تو مرتہن مال مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ مرہون کا قابلِ فروخت ہونا بھی رہن کی درستگی کے لیے ایک شرط ہے۔ لہٰذا وہ تمام شرائط جو خرید وفروخت کے معاملے میں مبیع کے لیے ضروری ہیں وہ مال مرہون میں بھی ضروری ہیں یعنی مال مرہون کا موجود، مملوک، مقدور التسلیم اور مال متقوم ہونا ضروری ہے۔ رہن کے مقابلے میں جو شئی ہو اس کا مرتہن کی ضمانت وذمہ داری میں ہونا بھی ضروری ہے۔

رہن کے عمومی مسائل:

شریعت میں رہن رکھنے کی اجازت چونکہ قرض خواہ کو اطمینان دلانے کی غرض سے

دی گئی ہے لہٰذا اسے یہ حق حاصل ہے کہ جب تک راہن اس کا قرض ادا نہ کردے اس وقت تک مال مرہون کو روکے رکھے اور اگر قرض کی ادائیگی سے پہلے ہی راہن کا انتقال ہو جائے تو راہن کے دوسرے قرض خواہوں کے مقابلے میں قرض خواہ (مرتہن) زیادہ حقدار ہے کہ مال مرہون کو فروخت کر کے پہلے اپنا حق وصول کر لے۔

قرض کی جزوی ادائیگی:

اگر راہن نے پورے قرض کی بجائے اس کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کا اعتبار کرتے ہوئے مال مرہون کا کچھ حصہ واپس لے بلکہ جب تک پورے قرض کی ادائیگی نہیں کرے گا مرتہن مال کو روک سکتا ہے البتہ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ معاملہ رَہن کے وقت ہی راہن نے یہ واضح کر دیا ہو کہ مال مرہون کا اتنا حصہ قرض کی اس مقدار کے مقابلے میں اور اتنا حصہ دوسرے کے مقابلے میں ہے تو پھر قرض کا جو حصہ ادا کیا جائے گا اس کے مقابلے میں مال رہن بھی راہن کو واپس کیا جائے گا۔

راہن یا مرتہن کا انتقال:

راہن کی وفات کی صورت میں اس کے بالغ ورثاء پر لازم ہے کہ وہ مال متروکہ میں سے قرض کی ادائیگی کر کے مال مرہون مرتہن سے واپس لے لیں۔ نابالغ ورثاء ہوں یا بالغ تو ہوں لیکن دور ہوں تو مرتہن مال مرہون فروخت کر کے اپنا حصہ حاصل کر سکتا ہے۔ مرتہن کی وفات کے بعد مال مرہون اس کے وارثوں کے پاس بطور رہن ہو جائے گا۔

مال مرہون میں نقصان:

اگر مرتہن نے مال مرہون کو عیب دار کر دیا یا ضائع کر دیا تو اس کے حقیقی نقصان کو قرض سے منہا کیا جائے گا لیکن اگر نقصان کسی تیسرے شخص نے پہنچایا ہو اور اس کی وجہ سے

اس کی قدر میں کمی آ گئی تو جس دن نقصان پہنچایا گیا اس دن کا اعتبار کرتے ہوئے نقصان کا ازالہ کیا جائے گا اور وہ مال بھی مرتہن کے پاس بطور رہن رہے گا۔

راہن اور مرتہن کا مال مرہون میں تصرف اور اس سے حصولِ انتفاع:

1۔ اگر کسی تیسرے شخص نے راہن و مرتہن کی اجازت کے بغیر مال مرہون کو کسی اور شخص کے پاس رہن کے طور پر رکھ دیا تو رہن ثانی باطل ہو جائے گا یعنی نافذ نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس راہن نے مرتہن کی اجازت سے مال مرہون کو کسی تیسرے شخص کے پاس رہن کے طور پر رکھ دیا تو رہن ثانی درست ہوگا جبکہ رہن اول باطل ہو جائے گا اور اسے مستعار شئی کا رہن سمجھ کر "رہن مستعار" قرار دیا جائے گا۔

2۔ اگر مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر مال مرہون کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیا تو یہ بیع موقوف کی طرح ہوگا یعنی نفاذ یا عدم نفاذ راہن کی اجازت پر موقوف ہے۔

3۔ اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر مال فروخت کر دیا تو یہ بیع نافذ نہیں ہوگی اور نہ ہی مال پر مرتہن کا حق ختم ہوگا البتہ راہن نے قرض ادا کر دیا یا مرتہن نے اس بیع کی اجازت دے دی تو وہ نافذ ہو جائے گی۔

4۔ مرتہن اپنی صوابدید پر مال مرہون کو عاریت پر دے سکتا ہے۔

5۔ مرتہن کسی وجہ سے مال مرہون کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کرنا چاہے تو اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ مال کی دوسرے مقام پر منتقلی کی صورت میں اسے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

مالِ مرہون سے متصل اشیاء اور اس میں تبدیلی کے احکام:

چونکہ مال مرہون معاملۂ بیع میں فروخت شدہ چیز کی طرح ہوتا ہے لہٰذا بیع کی طرح مال مرہون میں بھی وہ تمام اشیاء شامل ہوتی ہیں جو اس کے مشتملات میں سے ہوں۔ مثال کے طور پر کسی نے اپنا مکان گروی رکھا تو مکان کی دیوار اور اس کے احاطے میں لگے تمام درخت وغیرہ بھی رہن میں شامل ہوں گے اگرچہ وقتِ معاملہ ان کا ذکر نہ بھی کیا گیا ہو مال مرہون کو کسی دوسرے مال سے بدلنا بھی جائز ہے مثلاً کسی نے اپنی گھڑی بطور رہن رکھوائی اور بعد میں چاہا کہ وہ گھڑی کی بجائے موبائل فون رہن میں رکھے تو یہ جائز ہے۔ مال مرہون کی مقدار میں بعد میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے، اضافے کے بعد کل مال مرہون شمار ہوگا۔ مال مرہون میں اضافہ وزیادتی کیے بغیر قرض میں اضافہ کرنا شرعی اعتبار سے درست اور جائز ہے، مثال کے طور پر کسی نے ایک ہزار قرض کے بدلے میں اپنی گھڑی رکھوائی اور بعد میں رہن میں اضافہ کیے بغیر مزید پانچ سو روپے قرض لے لیے تو یہ جائز ہے۔

مالِ مرہون کی حفاظت ومصارف:

مال مرہون چونکہ مرتہن کے پاس ایک اعتبار سے امانت ہوتا ہے اس لیے مرتہن پر یہ لازم ہے کہ وہ مال مرہون کی خود یا اپنے قابل اعتماد لوگوں کو ذریعہ سے ہر ممکن حفاظت کرے۔ مال کی حفاظت کے حوالے سے جملہ اخراجات ومصارف مرتہن کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً گودام میں رکھنے کے اخراجات وغیرہ، البتہ وہ تمام اخراجات جن کا تعلق مالِ مرہون کی بقا اور ملکیت سے ہے ان کی ادائیگی راہن کے ذمہ ہے مثلاً جانور کا چارہ، مکان کی صفائی ستھرائی اور مرمت کے اخراجات اور پراپرٹی ٹیکس وغیرہ۔

اگر راہن نے مرتہن یا مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر وہ اخراجات کر دیئے جو

شرعاً ان کی ذمہ داری تھی تو ان کی جانب سے تبرع (احسان) سمجھا جائے گا۔ راہن و مرتہن میں سے کوئی بھی مطالبے کا حق نہیں رکھتا۔

اسلامی بینک میں رہن کی صورتیں:

اسلامی بینکوں میں قرض کے مقابلے میں رہن رکھنے کا عام رواج ہے لیکن اس کا طریقہ کار عام رہن کے مقابلے میں کچھ مختلف ہوتا ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے معاصر علماء کرام میں سے اکثر اسے فقہی رہن تسلیم نہیں کرتے بلکہ بعض اسے ضمانت کی ایک صورت قرار دیتے ہیں اور بعض اسے ضمانت کی مختلف صورتوں پر مشتمل ایک طریقہ کار شمار کرتے ہیں۔ ذیل میں سے ہر ایک کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے

1۔ رہن:

عام طور پر پراپرٹی کے رہن میں بینک مال مرہون کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے اس کی ملکیت کے حوالے سے جملہ کاغذات اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور مقروض قرض کی ادائیگی کے بعد وہ کاغذات بینک سے حاصل کر لیتا ہے چونکہ جائیداد کے کاغذات پر قبضہ جائیداد کے قبضے کی مانند ہے کہ مالک مال مرہون کو کسی تیسرے شخص سے فروخت نہیں کر سکتا لہٰذا علماء کرام نے رہن کے اس طریقے کو جائز قرار دیا ہے۔

2۔ پلیج (Pleadge)

اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بینک بیع کے معاملات میں مبیع (مال تجارت) کو بطور رہن اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور اس پر ایک شخص (جسے بینک کی اصطلاح میں مقدّم کہتے ہیں) کو اس پر نگران مقرر کر دیتا ہے اور جیسے جیسے کلائنٹ (خریدار) مبیع کی قیمت ادا کرتا جاتا ہے ویسے ہی بینک اس کے مقابلے میں مبیع کے حصے پر سے اپنا قبضہ اٹھا لیتا ہے۔ عام طور پر

اس طرح سے راہن رکھنے کو پلیج کہتے ہیں۔ پلیج کا طریقہ کار عام طور پر جائیداد منقولہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔

3۔ ہائپوتھیکیشن:

اسی طرح رہن کا مروجہ طریقہ کار یہ بھی ہے کہ مال مرہون راہن کے ہی قبضے میں رہتا ہے لیکن راہن کو اس بات کا اختیار نہیں رہتا کہ وہ مرتہن کی اجازت کے بغیر مال مرہون کو کسی تیسرے شخص سے فروخت کرے اور اگر وہ مرتہن کی اجازت سے ایسا کرتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جس قدر مالِ رہن میں کمی آئی ہے وہ فوری طور پر پوری کی جائے۔ رہن کا یہ طریقۂ کار ہائپوتھیکیشن کے نام سے موسوم ہے۔

امانت اور اسلامی بینک:

مرابحہ کے معاملے میں کلائنٹ جب بینک کے وکیل کی حیثیت سے مطلوبہ مال خرید لیتا ہے تو وہ مال کلائنٹ کے پاس اس وقت تک امانت کے طور پر رہتا ہے، جب تک کلائنٹ بینک سے اسے باقاعدہ خرید نہ لے لہٰذا کلائنٹ کے پاس وہ مال اس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے یا اسے جزوی نقصان پہنچ جائے تو وہ بینک کا نقصان شمار کیا جائے گا۔

سودی بینک اور کرنٹ اکاؤنٹ:

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جو رقم آتی ہے وہ بینک کے پاس امانت کے طور پر جمع ہوتی ہے لیکن شرعی نقطہ نگاہ سے یہ نظریہ درست نہیں کیونکہ اس میں امانت کے اصولوں کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا کیونکہ امانت کا اصول یہ ہے کہ امین مال امانت کو بعینہٖ اپنے پاس رکھے اور اسے استعمال نہ کرے حالانکہ سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کی جانے والی رقم کو بینک اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے

یعنی اپنے دوسرے لوگوں کو سود پر دیتا ہے لہٰذا یہ شرعی امانت نہیں ہے۔اس کے علاوہ امانت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر وہ امین کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے یا اس میں نقصان ہو جائے تو وہ امین اس کا ضامن نہیں ہوگا۔حالانکہ بینک اپنے کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈر کو رقم ہر حال میں دینے کے پابند ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ علماء کرام سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی رقم کو امانت تسلیم نہیں کرتے اور اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔
اب چونکہ اسلامی بینکاری نظام متعارف کرایا جاچکا ہے اور اس کا کرنٹ اکاؤنٹ سود سے پاک ہوتا ہے تو اس کے ہی کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔اس طریقے سے نہ صرف سود کے لین دین میں معاون بننے سے بھی بچا جاسکتا ہے بلکہ اسلامی بینکاری نظام کی ترقی میں کردار بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی بینک اور وکالت

وکالت کے لغوی معنی:

وکالت کے لغوی معنی ''تفویض یا سپرد کرنے، اعتماد کرنے اور اپنے کام کے لیے کسی دوسرے کو نائب بنانے'' کے ہیں۔

وکالت کی تعریف:

وکالت عقدِ شرع کی ایک قسم ہے۔اصطلاح فقہ میں کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنے کسی کام کی ذمہ داری اسے تفویض کرنا ''وکالت'' کہلاتا ہے۔

اصطلاحاتِ وکالت:

وکیل: لغت میں وکیل کے معنی ''سپرد کرنے یا کسی پر اعتماد کر کے اپنے کاموں کی انجام دہی کے لیے مقرر کرنے'' کے ہیں جبکہ شرع میں وکیل سے مراد وہ شخص ہے جسے کسی نے

اپنے ایسے کام میں، جس میں نائب بنانا جائز ہو نائب بنا کر اپنا کام اس کے سپرد کر دیا ہو۔

مؤکل:

اپنا کام کسی دوسرے کے سپرد کرنے والا ''مؤکل'' کہلاتا ہے۔

مؤکل بہ:

جس کام کے لیے کسی کو وکیل بنایا گیا ہو اسے مؤکل بہ کہتے ہیں۔

وکالت کی اقسام:

وکالت عامہ:

عقدِ وکالت میں کسی خاص کام کے لیے وکیل نہ کیا گیا ہو تو اسے ''وکالت عامہ'' کہتے ہیں جیسے مؤکل نے یہ کہا کہ جو چیز مناسب سمجھو میرے لیے خرید لو یہ خریداری کی وکالت عامہ ہے۔ لہٰذا وکیل جو کچھ بھی خریدے گا وہ مؤکل کا ہوگا۔ وکیل دینے سے اور مؤکل لینے سے انکار نہیں کر سکتا یونہی اگر یہ کہہ دیا کہ میرے لیے جو کپڑا چاہو خرید لو تو یہ کپڑے کے متعلق وکالت عامہ ہے۔

وکالت خاصہ:

عقدِ وکالت میں اگر کسی خاص چیز کی خریداری کے لیے وکیل بنایا ہو مثلاً کسی کو یہ کہنا کہ فلاں گاڑی یا فلاں جانور میرے لیے خرید لو تو یہ وکالت خاصہ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وکیل وہی معین چیز جس کی خریداری کا اسے وکیل مقرر کیا گیا ہے خرید سکتا ہے اس کے سوا دوسری چیز نہیں خرید سکتا۔ اگر وکیل نے اس کی اجازت کے بغیر خریدا تو مؤکل پر اس کی ادائیگی لازم نہیں بلکہ وہ وکیل کی ملکیت میں شمار ہوگی اور اس کی قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

وکالت کے لیے شرائط:

وکالت سے متعلق شرائط کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ مؤکل کے لیے شرائط

2۔ وکیل کے لیے شرائط

3۔ مؤکل بہ کے لیے شرائط

مؤکل کے لیے شرائط:

1۔ عاقل و بالغ ہو

2۔ جس کام کے لیے مؤکل دوسرے کو وکیل مقرر کر رہا ہو اسے خود بھی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر کسی خاص وجہ سے وقتی طور پر مؤکل کے لیے کسی کام کا کرنا تو ممکن نہ ہو لیکن اس میں کام کرنے کی صلاحیت موجود ہو تو اس کام کے لیے وہ دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

وکیل کے لیے شرائط:

1۔ عاقل و بالغ ہو

2۔ مؤکل بہ کو انجام دینے کی صلاحیت اس میں موجود ہو لہٰذا کسی نے ایک نادان و ناسمجھ بچے یا پاگل کو اپنا وکیل مقرر کیا ہو تو یہ شرعاً درست نہیں کیونکہ اس میں مؤکل بہ کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کے برعکس ایک نابالغ سمجھ دار بچے نے کسی کو اپنا وکیل بنایا تو اس کی وکالت ان امور میں درست ہو گی جن میں اس کا فائدہ ہو رہا ہو جیسے ہبہ یا ہدیہ وغیرہ قبول کرنا۔ ان امور میں ولی (سرپرست) کی اجازت بھی ضروری نہیں۔ اس کے برعکس ایسے امور جن میں بچے کا نقصان ہو رہا ہو ان میں اگر بچے نے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دیا ہو تو یہ

وکالت درست نہیں ہوگی اگر چہ ولی نے اجازت بھی دی ہو مثلاً ہبہ یا ہدیہ کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنانا۔

خرید و فروخت کے وہ معاملات جن میں نفع و نقصان دونوں پہلو ہوں تو ان میں ولی کی اجازت سے کوئی بچہ چاہے تو دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کرسکتا ہے اور اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر ایسا کرلیا تو اب وکالت کی درستگی ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

مؤکل بہ کے لیے شرائط:

1۔ مؤکل بہ شرعاً ممنوع نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی نے دوسرے کو شراب کی خریداری کے لیے اپنا وکیل مقرر کیا تو شرعی اعتبار سے یہ وکالت جائز نہیں۔

2۔ مؤکل بہ معلوم ہو

وکالت کن امور میں ہوسکتی ہے؟

وکالت صرف ان امور میں ہوسکتی ہے جن میں نیابت یعنی قائم مقام بنانا جائز ہو مثلاً بیع و شراء کے معاملات وغیرہ۔ نماز، روزہ اور ان جیسی عبادتوں میں چونکہ نیابت جائز نہیں ہے لہٰذا ان کاموں کی ادائیگی کے لیے کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ایسی عبادات ہیں جن کی ادائیگی مکلف پر ہی لازم و ضروری ہے اور مکلف کے ادا کیے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔

وکالت کا اختتام

1۔ مؤکل کا وکیل کو معزول کرنا:

وکالت چونکہ عقودِ لازمہ میں سے نہیں ہے لہٰذا مؤکل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو تو وہ جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کردے۔ اسی طرح وکیل

کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ معاملۂ وکالت سے جس وقت چاہے معزولی کا اظہار کرے لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ اس کی معزولی سے کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو۔

مؤکل وکیل کو معزول کرے یا وکیل خود معزول ہو جائے دونوں صورتوں میں دوسرے کو معزولی کا علم ہونا ضروری ہے لہٰذا جب تک علم نہ ہوگا وہ معزول شمار نہیں کیا جائے گا۔

2۔ مؤکل بہ کی تکمیل:

معاملۂ وکالت میں مؤکل نے جس کام کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا تھا اس کام کی تکمیل پر بھی وکالت خود بخود ختم ہو جاتی ہے مثلاً کسی کو گاڑی خریدنے کے لیے وکیل مقرر کیا گیا اور اس نے گاڑی خرید لی تو خریداری کے ساتھ ہی وکالت ختم ہو جائے گی۔

3۔ مؤکل بہ کی ہلاکت:

مؤکل بہ کی ہلاکت بھی وکالت کے اختتام کا سبب ہے مثلاً کسی مخصوص مکان کے خریدنے پر وکیل مقرر کیا گیا اور وہ مکان منہدم ہو گیا تو وکالت قائم نہیں رہے گی۔

4۔ مؤکل کا مفلس ہونا:

اگر مؤکل عقدِ وکالت کے وقت مؤکل بہ کے خریدنے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن بعد میں کسی وجہ سے مفلس ہو گیا تو وکالت ختم ہو جائے گی اور اگر اس کے بعد وکیل نے اس شئی کی خریداری قبول کر لی تو یہ مؤکل کی نہیں بلکہ وکیل کی جانب ہوگی اور قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

5۔ وکیل یا مؤکل کا انتقال:

وکیل یا مؤکل کی موت واقع ہو جانے پر بھی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔ مؤکل اگرچہ وکیل کی وفات پر وکالت سے معزول ہو جاتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس سے کسی

دوسرے کا حق متاثر نہ ہو۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ وکالت میں وراثت قائم نہیں ہوتی یعنی اگر وکیل کا انتقال ہو جائے تو وکالت اس کے ورثا کو منتقل نہیں ہوگی بلکہ ختم ہو جائے گی البتہ ورثاء کے ساتھ نئے سرے سے وکالت کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی بینک میں وکالت کی صورتیں:

اسلامی بینک نہ صرف بحیثیت مؤکل بلکہ وکیل کی حیثیت سے بھی وکالت کے معاملہ میں شریک ہوتے ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

اسلامی بینک بحیثیت مؤکل:

اسلامی بینک میں مرابحہ واجارہ وغیرہ کے معاملات میں اشیاء کی خریداری کے لئے کلائنٹ کو وکیل مقرر کیا جاتا ہے، جس میں اسلامی بینک مؤکل جبکہ کلائنٹ وکیل ہوتا ہے۔ یہ وکالتِ خاصہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں کلائنٹ ان ہی اشیاء کو خریدنے کا پابند ہوتا ہے جن کا تذکرہ ''معاہدہ نامے'' میں موجود ہوتا ہے۔ اسلامی بینکوں کے لیے درج بالا امور میں کلائنٹ کو وکیل بنانے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ ان کے کلائنٹ مختلف النوع شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور بینک کے لیے یہ مشکل ہوتا ہے کہ وہ ہر شعبے کے ماہرین کی خدمات حاصل کرے کیونکہ اس طرح ان کے اخراجات میں اضافہ ہو جائے گا جس کی وجہ سے نہ صرف بینکوں کے بلکہ وہ سرمایہ کار جو مضاربت ومشارکت کی بنیاد پر بینک کو اپنا سرمایہ فراہم کرتے ہیں دونوں کو کم منافع ہوگا اور یہ اسلامی بینکاری کی ترقی وترویج میں رکاوٹ پیدا کرسکتا ہے۔ علاوہ ازیں بینکوں کو بلاواسطہ مال کے خریدنے میں کچھ قانونی پیچیدگیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا وکالت کے ذریعے مال کی خریداری کو بہتر سمجھتے ہیں۔ وکالت کے اس طریقے میں عمومی طور پر بینک اپنے کلائنٹ کو وکالت کی کوئی اجرت ادا نہیں کرتے بلکہ

یہاں وکالت اپنی اصل شکل یعنی بطور تبرع واحسان ہو رہی ہوتی ہے۔

اسلامی بینک بحیثیت وکیل:

اسی طرح اسلامی بینک بحیثیت وکیل بھی وکالت کا معاملہ کرر ہے ہیں لہٰذا اسلامی بینکوں میں وکالت کو مضاربہ کی طرح بطور تمویل استعمال کیا جارہا ہے۔ اگر چہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ محل نظر ہے اور بعض علماء کے اس حوالے سے چند تحفظات ہیں اور وہ وکالت کی بجائے مضاربہ ہی کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وکالت اپنی فطرت کے اعتبار سے عقد تبرع ہے لہٰذا جہاں تک ہو سکے اسے عقد معاوضہ بنانے سے بچنا چاہیے۔

اسلامی بینکاری نظام اور مشارکہ:

اسلامی بینکوں میں مشارکہ مختلف النوع مختصر میعادی، درمیانی اور طویل المیعادی کاروبار میں استعمال کیا جارہا ہے۔

طویل المیعاد مشارکہ:

مشارکہ کی اس قسم میں اسلامی بینک کسی پروجیکٹ میں منافع کے حصول کے لیے سرمایہ کاری کرتا ہے اس میں مدت کا تعین نہیں ہوتا، البتہ شرکاء اسے اپنی صوابدید پر بڑھا سکتے ہیں اس قسم کا مشارکہ طویل المیعاد سرمایہ کاری کے لیے مناسب ہوتا ہے۔

شرکت متناقصہ:

یہ مشارکہ کی جدید ترین شکل ہے، جسے اسلامی بینکوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل شرکت ملک اور اجارہ کے مجموعے کا نام ہے اس کے مطابق اسلامی بینک اور اس کا کلائنٹ کسی جائیداد یا مشینری کی شرکت ملک کے تحت مشترکہ طور پر مالک بن جاتے ہیں اس جائیداد یا مشینری کو یونٹس میں تبدیل کرلیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی بینک اپنا حصہ کلائنٹ کو

شدہ تناسب سے آپس میں تقسیم کر لیتا ہے۔ ذیل میں اسلامک بینک کی مختلف حیثیت کے حوالے سے مراحل بیان کیے جا رہے ہیں۔

بینک بحیثیت رب المال:

1۔ بینک کلائنٹ سے تجارت کی نوعیت کے متعلق تمام شرائط طے کر لینے کے بعد اسے سرمایہ فراہم کرتا ہے اور اس طرح بینک اور کلائنٹ کے درمیان معاہدۂ مضاربت کی رو سے بالترتیب رب المال اور مضارب کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

2۔ کلائنٹ (مضارب) بینک کے فراہم کردہ سرمایہ کو معاہدے کے مطابق مختلف قسم کے شرعی کاروبار میں لگاتا ہے۔

3۔ کاروبار کے اختتام پر نفع یا نقصان ہوتا ہے۔ منافع کی صورت میں بینک اور کلائنٹ منافع کو پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں اور نقصان کی صورت میں تمام نقصان بینک (رب المال) برداشت کرتا ہے اور کلائنٹ صرف اپنی محنت کا معاوضہ نہ ملنے کا نقصان برداشت کرتا ہے۔

بینک بحیثیت مضارب:

1۔ اس کے مطابق بینک اور کلائنٹ کے درمیان تمام شرائط طے پا جانے کے بعد کلائنٹ رب المال کی حیثیت سے بینک کو سرمایہ فراہم کر دیتا ہے اور اسی طرح دونوں کے درمیان بالترتیب رب المال اور مضارب کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

2۔ بینک مضارب کی حیثیت سے سرمایہ کو مختلف شرعی اصولوں کے مطابق قابل نفع اور حلال پروجیکٹ میں لگاتا ہے۔

3۔ کاروبار میں نفع ہوتا ہے یا نقصان۔ نفع کی صورت میں بینک اور کلائنٹ آپس میں

پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد سے منافع تقسیم کر لیتے ہیں۔ عام طور پر بینک کا حصہ تناسب زیادہ ہوتا ہے جبکہ نقصان کی صورت میں سارا نقصان کلائنٹ، جو رب المال ہے برداشت کرتا ہے۔

نوٹ: اسلامی بینک میں مروجہ عقود کی تمام تفصیل سرمایہ کاری کے شرعی احکام سے حذف و اختصار کے ساتھ اخذ کی ہے۔

اسلامی بینکاری کا تنقیدی جائزہ:

کچھ لوگوں نے اسلامی نظامِ بینکاری پر ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے چند اعتراضات کیے ہیں۔ ذیل میں ان اعتراضات کو ذکر کر کے اُن کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

پہلا اعتراض:

موجودہ اسلامی بینکاری پر جو سب سے زیادہ اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ کہ سودی بینکاری کی طرح اس میں تمویل متعین نفع پر ہوتی ہے، جبکہ عام خیال کے مطابق اسلام میں متعین نفع نہیں کمایا جاسکتا؟

جواب:

یہ اعتراض قطعاً غلط ہے کیونکہ اولاً تو اسلامی بینکاری میں تمویل ہمیشہ طے شدہ تناسب پر نہیں ہوتی بلکہ نفع کا تعین اس پر مبنی ہے کہ اسلامی بینک تمویل کا کونسا طریقہ استعمال کر رہا ہے۔

فقہی اعتبار سے کسی بھی مالی معاملہ یا تجارتی لین دین میں نفع کی شرح طے کرنے کے لیے مختلف اصول وقواعد ہیں کچھ عقود تو ایسے ہیں (مثلاً مشارکہ یا مضاربہ) جن میں کسی ایک فریق کے لیے کوئی مخصوص رقم طے نہیں کی جاسکتی بلکہ حقیقی نفع میں شرکت پہلے سے طے

شدہ تناسب کے مطابق ہی ہوسکتی ہے۔ اس کے برخلاف بعض دوسرے عقود میں نفع پہلے سے مخصوص رقم کی شکل میں متعین ہونا ضروری ہے مثلاً خرید وفروخت یا کرائے داری کے معاملات جن میں مرابحہ، اجارہ، سلم اور استصناع وغیرہ کے عقود شامل ہیں اگر ان میں نفع پہلے سے مخصوص رقم کی شکل میں متعین نہ ہو تو یہی عقود شرعی اصول کے تحت غرر یا جہالت فی الثمن کے تحت ناجائز ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ ان دوسری قسم کے عقود میں نفع کے متعین ہونے میں نہ صرف کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ ان میں نفع کا متعین ومعلوم ہونا شرعاً ضروری اور لازمی ہے جس کے بغیر عقد فاسد ہو جائے گا۔

دوسرا اعتراض:

اسلامی بینکاری میں بھی سامان کی فروخت یا کرایہ داری میں متعین نفع وصول کیا جاتا ہے اور سودی قرضے میں بھی روپے کی روپے کے ساتھ لین دین میں ایک متعین شرح کے ساتھ نفع لیا جاتا ہے جب دونوں صورتوں میں نفع متعین ہے تو دونوں میں کیا فرق ہوا؟

جواب:

حقیقت یہ ہے کہ بالکل یہی اعتراض کفار مکہ نے بھی اس وقت کیا تھا جب ربا کی آیات حرمت نازل ہوئیں تھیں۔ کفار مکہ نے یہ کہا تھا کہ سود بالکل برحق ہے اور مبنی بر انصاف ہے، کیونکہ وہ آمدنی جو وہ سود کے ذریعے کماتے ہیں وہ اس آمدنی کی بالکل مشابہ ہے جو وہ خرید وفروخت کے ذریعے کماتے ہیں۔ اس کی انہوں نے یہ توجیہ پیش کی کہ جب ادھار فروخت کرنے کی صورت میں کسی چیز کی قیمت ابتداء میں ہی زیادہ رکھی جاتی ہے تو اسے جائز کہا جاتا ہے لیکن اگر مدت میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے اور اس پر اضافی نفع کا

مطالبہ کیا جاتا ہے تو اسے ربا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں صورتوں میں اضافہ بظاہر یکساں معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ربا کی حرمت کی مخالفت اس دلیل کے ساتھ کی جس کا ذکر قرآن پاک میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے: ''اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰو'' قرآن کریم نے اس دلیل کا آسان اور مختصر جواب آیت کے اگلے حصے میں دے دیا ''وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو'' اس آیت میں اشارۃً یہ بھی بیان ہو گیا کہ کسی معاملہ میں ظلم واستحصال کے پائے جانے کا فیصلہ انسانی عقل پر نہیں چھوڑا گیا کیونکہ مختلف افراد کی عقل مختلف جواب پیش کر سکتی ہے اور خالص عقلی دلائل کی بنیاد پر کسی ایک نتیجے تک نہیں پہنچا سکتا جو عالمگیر اطلاق کا حامل ہو لہٰذا اگر کوئی معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کر دیا گیا تو اس میں صرف عقلی وجوہات کی بنا پر اختلاف کرنا درست نہیں۔

تیسرا اعتراض:

نقدی کو سامان (جنس) کا درجہ حاصل ہے اس لیے جس طرح سامان کو اپنی اصلی لاگت سے زائد نفع پر فروخت کیا جا سکتا ہے اسی طرح نقدی کو بھی اس کی قیمت اسمیہ سے زائد پر فروخت کیا جانا چاہیے یا جیسے کوئی شخص اپنی جائیداد کو کرائے پر دے سکتا ہے اسی طرح وہ نقدی کو بھی کرائے پر دے کر ایک مخصوص سود یا کرایہ کما سکتا ہے، اس لحاظ سے مروجہ سودی بینکوں میں پیسے دے کر زیادہ پیسے لینا درست ہونا چاہیے۔

جواب:

اسلامی اصول اس نقطہ نظر کی حمایت نہیں کرتے۔ نقدی اور سامان میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بہت فرق ہے اس لیے اسلام میں دونوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے۔

1۔ نقدی کا اپنا کوئی ذاتی فائدہ اور استعمال نہیں ہے اسے انسانی ضروریات کے لیے بلا واسطہ استعمال نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے صرف زرِ مبادلہ کے طور پر کام میں لایا جاسکتا ہے۔

2۔ اشیاء یا سامان مختلف اوصاف کے ہوسکتے ہیں جب کہ نقدی میں اوصاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ نقدی کے تمام اجزاء برابر مالیت کے سمجھے جاتے ہیں مثلاً ایک ہزار روپے کا پرانا یا میلا کچیلا نوٹ وہی مالیت رکھتا ہے جو بالکل نیا ایک ہزار روپے کا نوٹ رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف نئی اور پرانی اشیاء کی قیمتوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ادھار کی خرید وفروخت میں نفع کمانا اور روپے کو روپے کے ساتھ ادھار فروخت کر کے نفع کمانا یکساں معلوم ہوتا ہے لیکن شریعت کی نگاہ میں ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ﴿اسلامی بینکاری کا ایک تعارف﴾

اسلامی بینکاری پر اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے سید صابر حسین شاہ اپنی کتاب ''سرمایہ کاری کے شرعی احکام'' میں لکھتے ہیں کہ

اسلامی بینکاری پر کیے جانے والے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلامی بینک اجارے میں کرائے، مرابحہ اور دوسرے کئی معاملات میں منافع کا تعین کرتے وقت سودی بینکوں کی طرح KIBOR (Krachi Interbank offered Rate) کو بطور معیار استعمال کرتے ہیں چونکہ KIBOR سودی نظام میں استعمال کیے جانے والا (Bench Mark) ہے لہٰذا اس کا استعمال بینکوں میں جائز نہیں۔

اعتراض چونکہ KIBOR کے بارے میں ہے لہٰذا پہلے اس کی مختصر وضاحت بھی کی جارہی ہے تاکہ جواب سمجھنے میں معاون ثابت ہو۔ KIBOR اس شرح سود کا اوسط ہے جس پر بینک آپس میں قرضوں کا لین دین کرتے ہیں اس ریٹ کا تعین مرکزی بینک یعنی

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کرتا ہے جس کو معیار بنا کر بینک اپنے کلائنٹ کو قرض فراہم کرتے ہیں اس کے علاوہ اجارہ میں قسطوں کے تعین اور (Overdraft) کی سہولت میں بھی اسے معیار بناتے ہیں۔اس کو معیار بنانے کے درج ذیل مقاصد ہیں:

1۔ فریقین میں سے کوئی بھی اپنی مرضی سے اس میں ردوبدل کا مجاز نہ ہو۔

2۔ پوری مارکیٹ میں یکساں شرح سود نافذ ہو چاہے آپ کسی بھی بینک کے پاس جائیں۔

3۔ بینک کے رسک مینجمنٹ کو بہتر بنایا جاسکے۔

اس اعتراض کے جواب سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلامی بینکوں میں KIBOR کو بطور (Bench Mark) انتہائی ناگزیر صورتِ حال میں استعمال کیا جارہا ہے وگرنہ اسلامی معاشی ماہرین اور علماء کرام کی یہ دیرینہ خواہش ہے کہ اسلامی بینکوں میں اجارہ وغیرہ کے کرائے کے تعین میں اس معیار کو مقرر کیا جائے جو KIBOR سے مربوط نہ ہو بلکہ وہ خالص اسلامی طریقہ کار کے مطابق ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ سودی طریقہ کار کو معیار بنانے کی وجہ سے لوگوں میں شکوک وشبہات جنم لے رہے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنی کم فہمی کے باعث اسلامی بینکوں کی آمدنی کو حرام قرار دیتے ہیں اسلام نے مسلمانوں کو نہ صرف برائی سے روکا ہے بلکہ ان امور سے بھی روکا ہے جن کی وجہ سے برائی میں پڑنے کا خدشہ ہو یا شکوک وشبہات پیدا ہوں اور لوگوں کے سامنے انسان خواہ مخواہ کا بدنام ہو جائے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یقف مواقف التّھم

جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو

﴿فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۲ صفحہ ۳۱۷﴾

اور چونکہ KBIOR کو معیار بنانے کی وجہ سے اسلامی بینکوں کو عوام کے سامنے عذر پیش کرنا پڑتا ہے لہٰذا جتنی جلدی ہو اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے اور یہ کام اسلامی بینکوں میں خدمات سر انجام دینے والے شریعت اور بینکاری کے ماہرین کی مخلصانہ و ایماندارانہ کوششوں سے پورا کیا جا سکتا ہے اس حوالے سے ایک کامیاب کوشش کی جا چکی ہے اور عنقریب اسے مارکیٹ میں متعارف کرایا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا KIBOR کو معیار بنانے کی وجہ سے اسلامی بینکوں کے منافع جات (جو شرعی اصولوں کے مطابق حلال ذرائع سے حاصل کیے جاتے ہیں) حرام ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے اور بے بنیاد ہے جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں، کیونکہ کسی شئے کو حرام قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حرمت دلیل شرعی سے ثابت کی جائے نہ کہ اپنی مرضی سے جسے چاہا حرام قرار دے دے۔

حلال و حرام تو وہی ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے حلال و حرام قرار دیا ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی شئ کو حلال یا حرام قرار دیتا ہے تو قرآن مجید میں ایسے عمل کو بڑی جسارت اور کذب و افتراء قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور حرام تا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے"

﴿النحل:۱۱٦﴾

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو ایسی روش اختیار کرنے سے روکا گیا ہے کہ وہ بغیر دلیل کے کسی امر کو حرام یا باطل قرار دیں۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اس عمل قبیح کو از قبیلِ شرک قرار دیا

گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

''میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا لیکن شیطانوں نے انہیں بہکایا اور ان پر ان چیزوں کو حرام کر دیا جن کو میں نے حلال کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ ان کو شریک نہ ٹھہرائیں جن کے شریکِ خدا ہونے کی میں نے ہرگز دلیل نازل نہیں کی'' ﴿صحیح مسلم رقم الحدیث۷۳۸۶﴾

اسلام میں جائز ذرائع سے منافع کا حصول ممنوع نہیں، بلکہ جائز و مستحسن ہے۔ اب اگر کوئی اپنی کسی شئی پر منافع کو متعین کرنے کے لیے معاشرے میں رائج کسی ایسی چیز کو معیار بناتا ہے جسے سود خور سود کی شرح متعین کرنے میں معیار بناتے ہیں تو اس کے اس عمل سے حاصل ہونے والا منافع ناجائز و حرام نہیں ہوگا۔ اگرچہ ایسا کرنا لائق تحسین نہیں اور علمائے کرام اسے ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی علاقے میں خنزیر کا گوشت (جو کہ حرام ہے) ایک خاص شرح سے منافع پر فروخت کیا جاتا ہے، اب اگر اس علاقے کے مسلمان جو حلال طیب گائے کا گوشت فروخت کرتے ہیں، گوشت کی قیمت کو متعین کرنے میں اسی طریقہ کار کو اپنائیں جس کے ذریعے خنزیر کے گوشت کی قیمت کو متعین کیا جاتا ہے تو مسلمانوں کے اس عمل سے نہ گائے کا گوشت حرام ہوگا اور نہ ہی اس کی فروخت سے حاصل شدہ منافع۔ اگرچہ منافع کے تعین کو ناپاک چیز پر محمول کرنا ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔

اس حوالے سے ذیل میں امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کا ایک فتویٰ نقل کیا جارہا ہے:

آپ علیہ الرحمۃ سے کسی نے اس کرایہ کے بارے میں سوال کیا جسے اس زمانے کے مروجہ شرح سود کو معیار بنا کر مقرر کیا گیا تھا کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''سود ملحوظ کر کے مقدارِ کرایہ معین کرنا ایک ناپاک بات ہے اور گندہ لحاظ ہے لیکن اگر معین ہو جائے تو اس کرایہ میں حرج نہیں مثلاً ہزار روپیہ کی قیمت ہے تو وہ نجس حساب لگا کر پونے چار روپیہ مہینہ کرایہ قرار دیا تو وہ نجاست اس لحاظ ہی میں رہی کرایہ میں نہ آئی۔

﴿فتاویٰ رضویہ جدید جلد۶ صفحہ ۹۲۲﴾

مذکورہ بالا فتویٰ میں اگرچہ کرایہ معین کرنے کے مذکورہ طریقہ کار کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے تاہم کرایہ کو جائز قرار دیا ہے۔

الغرض اسلام میں زندگی کے ہر پہلو کی طرح معاشیات کے متعلق بڑے واضح اور روشن اصول ہیں۔ جہاں اسلام اپنے ماننے والوں کے لیے حرام کے دروازے بند کرتا ہے وہاں حلال ذرائع کی نشاندہی کرتے ہوئے آمدنی کے کثیر اسباب بھی مہیا کرتا ہے جن سے نہ صرف مسلمان بلکہ پوری نسلِ انسانیت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر کوئی بھی ملک، ادارہ اور تنظیم اسلامی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معیشت کا مطالعہ کرے تو اس باب میں بھی اسے اسلام کی عالمگیریت کا عکسِ جمیل نظر آئے گا۔ بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم ہر کوئی ان اصولوں پر عمل کر کے معاشی بحران کی دلدل سے بچ سکتا ہے۔

تمت بالخیر

❁❁❁❁❁